اپریل ۲۰۰۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

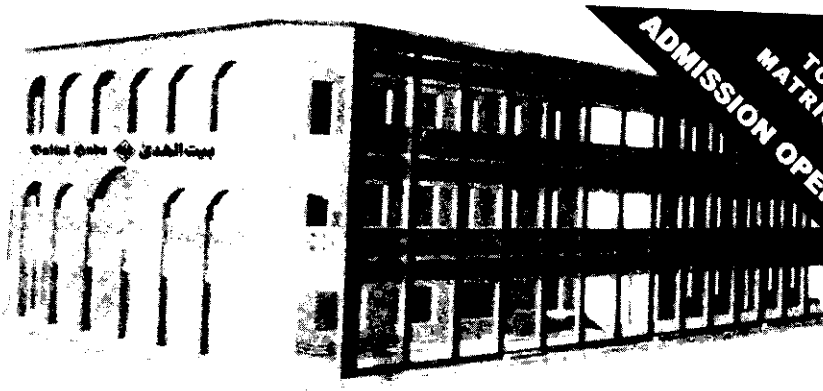

Define Your requirements for a Good School...!!!

The School that gives your children Better Education, Proper Training & Moral upl all...Under the golden perspective of **ISLAMIC Teachings...**

Religious Affiliation.

Nazara, Hifz-e-Quran Extended-Lectures & basic islamic teaching.

High Educational Standards.

Equipped with modern educational tools & Compulsory computer education.

Proper Training.

Exceptional, moral & physical training programs.

Teaching Staff.

Qualified & experienced teaching staff.

School Building.

Elegant school building.

Healthy Atmosphere.

Secure, peaceful & hygienic local surroundings.

Reasonably Affordable.

To suit your budget,no admission fee.Special discount for intelligent & deserving students.

Easy Approach.

Located at one of the best suited place school & local transport both available.

Co-Curricular Activities.

Debates, speeches, quiz programs, indoor & outdoor games.

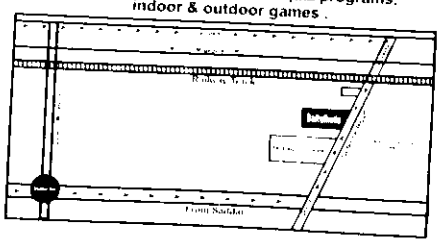

Baitul Huda

School for Girls
14-Defence Road Harbanspura
Lahore.Ph:0333-4263262 ,6552706
www.baitulhuda.org

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۵۲

شمارہ: ۴

صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

اپریل ۲۰۰۳ء

فی شمارہ ۱۲/-

اس شمارے کی قیمت ۲۰ روپے

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک 125 روپے

☆ ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ 800 روپے

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700' فون: 03-02-5869501

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرض احوال** ________ ۳

حافظ عاکف سعید

✿ **اسلامی معاشرت** ________ ۷

مرد اور عورت میں مساوات یا فضیلت؟ عبدالمجیب

✿ **قند مکرر** ________ ۱۵

○ اسلام انتخابی سیاست کے ذریعے نہیں آ سکتا'
اس کے لئے انقلابی طریق کار ناگزیر ہے

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز انٹرویو

○ مولانا مودودی مرحوم اور مسئلہ بیعت

✿ **تذکیر و موعظت** ________ ۵۲

اسلام کے نظامِ تربیت میں عبادتِ رب کا مقام

سید قطب شہیدؒ

✿ **دعوت و تحریک** ________ ۶۱

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے — سید وصی مظہر ندوی

✿ **اٹھتے ہیں حجاب آخر** ________ ۷۱

بڑا بے ادب ہوں...... — محمد وقاص اطہر

✿ **تعمیر سیرت** ________ ۸۱

غرور و تکبر — عظمیٰ اظہر

✿ **منہاج المسلم** (۲۸) ________ ۸۹

دوستی اور دشمنی کے آداب

مجلس کے آداب

علامہ ابوبکر الجزائری

✿ **رفتار کار** ________ ۱۰۲

تنظیم اسلامی کا آل پاکستان اجتماع

انوار الحق چوہدری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

کیا اب بھی وقت نہیں آیا.....؟

درخت کی جڑوں پر تیشہ رکھا جا چکا ہے۔

امت مسلمہ ذلت و مسکنت کا عذاب تو ایک عرصے سے بھگت ہی رہی تھی' اب آرمیگاڈان یا ''الملحمۃ العظمیٰ'' کی صورت میں عذابِ الٰہی کا ایک بڑا بھرپور کوڑا مسلمانوں کی پیٹھ پر برسنے کو ہے!

عراق کے خلاف جارحانہ عزائم کے حوالے سے امریکی صدر' فرعونِ وقت' جارج ڈبلیو بش ساری دنیا سے ''دہشت گرد'' کا ''اعزازی خطاب'' پانے کے باوجود جارحیت پر اتر آیا ہے اور اپنے وحشیانہ عزائم کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو بزورِ قوت فنا کرنے کی دھمکیوں کو اب عملی جامہ پہنا رہا ہے۔

فرعونِ وقت جو خود کسی آسیب کے زیر اثر ہے' ہر قیمت پر عراق کو تہس نہس کرنے اور لاکھوں عراقی شہریوں کا خون کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اس کے سر پر خون سوار ہے۔

صدر بش کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں۔ اس کی ڈور ہلانے والی اصل قوت یہود جو برائی کا اصل محور ہے' گریٹر اسرائیل کے قدیمی خواب کو مجسم حقیقت بنانے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔

اگر اللہ کی جانب سے کوئی خصوصی معاملہ پردہ غیب سے ظاہر نہ ہوا تو فرعون وقت کو مشرق وسطیٰ کو ایک خوفناک میدانِ کارزار میں تبدیل کرنے اور پورے خطے کا نقشہ تبدیل کر کے گریٹر اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کرنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی!

ادھر پاکستان کے حالات بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔

امریکی بھیڑیا پاکستانی میمنے کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرنے کے بعد اب مختلف حیلوں بہانوں سے پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے۔

دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم میں فرعونِ وقت کا ساتھ دینے والے اِس بدقسمت ملک کو ''دہشت گردی کا اڈا'' اور Evil Behind the Axis of Evil کے طعنے سننے پڑ رہے ہیں۔

بش کی ایک دھمکی کے سامنے بچھ جانے والے صدر مشرف جو ملک میں جمہوری سیٹ اپ کے

قیام کے باوجود آج بھی ملک وقوم کی تقدیر کے بلاشرکتِ غیرے مالک ہیں' بزعم خویش اس کوشش میں ہیں کہ عراق کے معاً بعد پاکستان کی باری نہ آئے ـــــ انہیں یہ اندازہ تو ہو چکا ہے کہ عراق کو روندنے کے بعد امریکی عفریت پاکستان کو ہڑپ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ـــــ لیک بعد از خرابی بسیار!

تنظیم اسلامی تو برس ہا برس سے قوم کو اس ''انجامِ بد'' کے حوالے سے جگانے کی کوشش کر ہی رہی تھی' ملک کے بزرگ ترین اور نہایت قابل احترام صحافی جناب مجید نظامی بھی آج کل جگہ جگہ اس امر کی دُہائی دے رہے ہیں کہ عراق پر حملہ کی صورت میں امریکہ بھارت کے ذریعے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ و برباد کرنے کی ممکنہ کوشش کرے گا۔ سیدھی سی بات ہے کہ جس ''محبوبہ'' کو راضی کرنے کے لئے امریکی صدر بندر کی طرح ناچ رہے ہیں' اسے اصل خطرہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اور یہاں موجود دین کے حرکی تصور رکھنے والے طبقات سے ہے۔ اِس قبیلہ کی خوشنودی کا راستہ پاکستان کی تباہی کی راہداری سے گزرتا ہے۔

تو کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ

ہمارے دل اللہ کی یاد کے سامنے جھک جائیں۔

ہم اپنے رب کی جناب میں صدقِ دل سے توبہ کریں' اپنے سابقہ گناہوں پر استغفار کریں' آئندہ اصلاحِ عمل کا عزمِ مصمم کریں!

ہم جو بحیثیت قوم نصف صدی سے زائد عرصہ اللہ سے بدعہدی اور دین سے بے وفائی کے جرم عظیم کے مرتکب ہوتے رہے ہیں' قوم یونس کی مانند اجتماعی توبہ کریں' اللہ اس کے رسولؐ اور اس کے دین سے وفاداری کا از سرِ نو عہد کریں اور اپنی صداقت کے عملی ثبوت کے طور پر مملکت خداداد پاکستان میں دینِ حق کے قیام یعنی نظامِ خلافت کے قیام و نفاذ کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔

کیا عجب کہ اللہ کی رحمت جوش مارے اور ہمارے سروں پر سے وہ عذاب جس کے آثار شروع ہو چکے ہیں' ٹل جائے اور عالمی اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلے میں کائنات کی عظیم ترین طاقت ہماری پشت پناہ بن جائے کہ اخروی نجات و فلاح کے علاوہ دنیوی کامیابی و سربلندی کا واحد راستہ بھی یہی ہے!

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف　　کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے!

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہار رائے

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاباتِ جمعہ کے پریس ریلیز

(۱)

عالم اسلام پر تباہی کے سائے اللہ اور رسول سے بے وفائی کا نتیجہ ہیں

۷ مارچ کا پریس ریلیز

امریکہ درحقیقت اسرائیل کی جنگ لڑ رہا ہے' جس کا ثبوت اسرائیلی وزیر دفاع کا یہ بیان ہے کہ چند روز تک عراق پر اسرائیل کا قبضہ ہوگا۔ گویا عراق پر امریکی حملے کا اصل مقصد مشرق وسطیٰ کا نقشہ تبدیل کر کے گریٹر اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کرنا ہے۔ یہودیوں کو گریٹر اسرائیل کے قیام میں رکاوٹ کا خطرہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت سے ہے۔ لہٰذا اسرائیل کے اشاروں پر ناچنے والے امریکی بھیڑیے کے تیور صاف نظر آ رہے ہیں کہ عراق کے بعد اب پاکستان کی باری ہے۔ چنانچہ مختلف حیلے بہانوں سے پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے جس کا مظہر یہ ہے کہ کبھی پاکستان کو دہشت گردوں کا اڈہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور کبھی دینی جماعتوں کا تعلق القاعدہ سے جوڑا جا رہا ہے۔

اسرائیل یا امریکہ کے ذریعے امت مسلمہ پر بالعموم اور اہل پاکستان پر بالخصوص جس تباہی کے سائے منڈلا رہے ہیں' وہ دراصل اللہ اور اس کے رسول سے بے وفائی کی سزا کے طور پر عذاب الٰہی کی ایک شکل ہے۔ اس عذاب کو دعوت دینے والے صرف مسلمان حکمران ہی نہیں بلکہ پوری امت اس کی ذمہ دار اور قصوروار ہے۔ تاہم بحالات موجودہ غور طلب امر یہ ہے کہ آیا اس عذاب سے بچاؤ کا کوئی راستہ بھی ہے یا نہیں؟ درحقیقت مسلمان قوم کی قوت کار از ایمان اور اس کے نتیجے میں نصرت الٰہی میں پوشیدہ ہے۔ باقی دوسری چیزیں مثلاً وسائل و ذرائع' ٹیکنالوجی یا اسلحہ وغیرہ ثانوی درجہ

رکھتی ہیں۔ اگر مسلمان قوم قوت ایمانی سے عاری ہو تو ٹیکنالوجی بھی اس کے کسی کام نہیں آ سکتی' جیسا کہ ایٹمی صلاحیت ہونے کے باوجود آج پاکستان بے بس ہے۔ قرآن نے اللہ کی نصرت کے حصول کا یہی نسخہ بتایا ہے کہ اگر ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے یعنی اس کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں خود کو کھپا دیں گے تو اللہ ہماری ضرور مدد کرے گا اور اگر اللہ کی مدد ہمیں حاصل ہو گئی تو امریکہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا جیسے غزوۂ بدر میں ایک ہزار کے لشکر کے مقابلے میں اللہ نے نہتے مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ چنانچہ اگر ہم اب بھی اجتماعی توبہ کر لیں اور امت کا ایک قابل ذکر حصہ اپنا قبلہ درست کر کے اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے اپنا تن من دھن لگا دے تو امید ہے کہ قوم یونسؑ کی طرح اللہ ہمیں بھی اپنے عذاب سے محفوظ کر دے گا۔

(۲)

آخری عالمی جنگ کے بعد دنیا پر اسلام کا غلبہ ہوگا

۲۱ مارچ کا پریس ریلیز

عراق کے خلاف حالیہ جنگ شروع کرنے سے پہلے ہی امریکہ کو اخلاقی شکست ہو چکی ہے۔ عراق کے خلاف کارروائی کے لئے امریکہ نے جس طرح فرعونِ وقت بن کر عدل و انصاف کی دھجیاں بکھیری ہیں' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ کے زوال کا آغاز ہو چکا ہے' کیونکہ طاقت کے نشے میں ظالم جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو قدرت کے عذاب کا کوڑا اس کی پیٹھ پر ضرور برستا ہے۔ بظاہر امریکہ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ عراق میں موجود خطرناک ہتھیاروں کے خاتمے اور عوام کو صدام کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے اس نے یہ قدم اٹھایا ہے لیکن دنیا پر اس دعوے کی حقیقت اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے۔ اگر خطے کو خطرناک اسلحے سے خالی کرنا مقصود ہے تو عدل و انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ اس علاقے کے سب سے بڑے دہشت گرد اسرائیل کو نہتا کیا جاتا۔ لیکن یہ راز اب طشت از بام ہو چکا ہے کہ یہ جنگ دراصل مشرق وسطیٰ کا نقشہ تبدیل کر کے گریٹر اسرائیل کے قیام ہی کے لئے شروع کی گئی ہے۔ امریکہ کی یہ ہٹ دھرمی خوفناک نتائج

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

مَرد اور عورت میں مساوات یا فضیلت؟
احکامِ الٰہی کی روشنی میں

تحریر: عبدالمجیب، کراچی☆

آج کل اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ''مساواتِ مَرد وزَن'' کا بہت چرچا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ صرف اسی طرح کے سیاسی نظام سے پاکستان ایک جدید ترقی یافتہ اسلامی وفلاحی مملکت بن سکتا ہے جس میں عورتوں کی خاصی بڑی تعداد مَردوں کے شانہ بشانہ کاروبارِ مملکت میں شریک ہو۔ اس صورتِ حال میں بحیثیت مسلمان یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مَرد وزَن کے خالق اللہ تعالیٰ نے اس اہم ترین موضوع پر کیا احکام صادر فرمائے ہیں، یعنی یہ کہ قرآنِ کریم میں آیا مَرد وزَن اور اُن کے ہر کام میں مکمل مساوات رکھی ہے یا ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور یا پھر دونوں میں بیک وقت مساوات کا دائرہ بھی ہے اور ساتھ ہی دونوں کی الگ الگ فضیلت وفوقیت بھی ہے! امر واقعہ یہ ہے کہ پورے قرآن کے مطالعہ کی شہادت مذکورہ تیسری اور آخری صورت کے لئے ہے۔

اس سے پہلے کہ متعلقہ احکامِ الٰہی پیش کئے جائیں چند ازلی وجبلی حقائق پر ایک نظر ڈال لینا چاہئے تاکہ اُن قرآنی احکام کی حکمت بھی سامنے آجائے۔ بحیثیت انسان مَرد اور عورت دونوں بالکل برابر ہیں اور اسی وجہ سے دونوں کے حقوق بھی ہیں اور دونوں پر فرائض بھی عائد ہیں۔ اس طرح دونوں میں واقعی مساوات ہے۔ البتہ مَرد اور عورت کی خلقت اور ساخت مختلف ہے، دونوں کی طبعی وحیاتیاتی ضروریات مختلف ہیں، دونوں کے اوصاف مختلف ہیں اور دونوں کے قدرتی وفطری دائرۂ کار بھی مختلف ہیں۔ لہٰذا دونوں کے حقوق وفرائض کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ زندگی کے ثابت شدہ حقائق

☆ سابق مشیر، حکومت سعودی عرب

بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ مثلاً عورت نرم و نازک ہوتی ہے تو مَرد تناور اور توانا۔ لہٰذا اللہ نے بھاری بھرکم کام مَرد پر ڈالے۔ عورت بالعموم منفعل ہوتی ہے اور مَرد فعال ہوتا ہے۔ پھر کھلے عام عورت کے جسمانی خدوخال مَرد کی شہوت کے لئے خطرہ ہوتے ہیں مگر کھلے عام مَرد کے خدوخال سے عورت کو ویسا خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے گھر سے باہر عورت کے لئے حکم الٰہی ہے کہ چادر اور حجاب اوڑھے اور اپنے جسمانی خدوخال کو ظاہر نہ کرے۔ نسل انسانی کی افزائش کے لئے مَرد و زَن مساوی ہم سفر تو ہوتے ہیں، لیکن ایک واضح فرق کے ساتھ۔ عورت حاملہ ہوسکتی ہے مَرد نہیں۔ مَرد حاملہ کرسکتا ہے مگر عورت نہیں۔ عورت کو فطرتاً ماہانہ ایامِ حیض سے گزرنا پڑتا ہے کہ جس کے دوران اللہ تعالیٰ اس کو روزہ نماز سے بھی بریُ الذمہ رکھتا ہے، جبکہ مَرد کے لئے نہ ایسا فطری نظام ہے اور نہ نماز روزے کی ویسی رعایت۔ عورت بچے جنم دیتی ہے اور پھر دو سال تک گھر میں بچے کو اپنی چھاتی سے غذا فراہم کرتی ہے۔ مَرد اِن کاموں سے مبرا ہے، البتہ مَرد کی پوری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ عورت (بیوی)، بچوں اور گھر بھر کی تمام اندرونی و بیرونی ضروریات بھرپور طریقے سے مہیا کرے۔

گھر کی ریاست اور اس کی رعیت (بیوی بچے) کی بھاری ذمہ داری چونکہ مَرد ہی پر ہوتی ہے لہٰذا انسانی مساواتِ مَرد و زَن کے باوجود قرآن کے مطابق (آیات آگے آرہی ہیں) مَرد گھر کا سربراہ مقرر کیا گیا ہے اور عورت (بیوی) اس کی نائب اور گھر کی منتظمہ مقرر کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے حکم الٰہی ہے کہ عورت گھر کو جائے قرار بنائے اور ٹک کر رہے۔ پھر سربراہ (شوہر) کے انتقال پر اس کی نائب (بیوی) پر فرض ہے کہ عدت (چار ماہ دس دن یا وضع حمل تک) گھر میں گزارے تب کسی دوسرے کی نائب بن سکتی ہے، لیکن نائب کے انتقال کے طور پر سربراہ پر یہ پابندیاں نہیں ہیں۔ تاہم قرآن کی رو سے مَرد کی مذکورہ قانونی فوقیت و فضیلت کے علی الرغم اکتسابی فوقیت و فضیلت (بر بنائے حسن کارکردگی اور اعمالِ صالحہ) میں عورت مَرد پر برتری حاصل کرسکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اکتسابی افعالِ حسنہ میں نہ تو مَرد و زَن کی انسانی مساوات کا اطلاق ہوگا اور نہ ہی مَرد کی

قانونی فوقیت کا انطباق ہوگا' بلکہ باہمی مسابقت سے کسی ایک کو دوسرے پر درجہ فضیلت حاصل ہوگا۔

مندرجہ بالا بنیادی امور کے جائزے کے بعد اب پیشِ خدمت ہیں وہ آیاتِ قرآنی جو بیان کردہ تینوں صورتوں سے متعلق ہیں' یعنی اوّلاً وہ دائرہ جہاں مساواتِ مَرد و زَن ہے' دوسرے وہ حدودِ اربعہ جس میں مَرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے اور تیسرا وہ اختیاری و اکتسابی میدان جہاں مَرد اور عورت دونوں ایک دوسرے پر فوقیت و فضیلت حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن میں اللہ کا مقرر کردہ دائرۂ مساواتِ مَرد و زَن

۱) ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ﴾ (النساء:۱)

''اے انسانو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم سب کو ایک جان (آدمؑ) سے پیدا کیا اور پھر اسی جان سے اس کی بیوی (حوا) پیدا کی اور پھر اُن دونوں سے بہت سارے مَرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیے۔''

۲) ﴿بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾ (النساء:۲۵)

''تم سب لوگ (مَرد اور عورت) ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔''

۳) ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

''وہ (تمہاری بیویاں) تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔''

۴) ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ؕ﴾ (آل عمران:۱۹۵)

''پس اللہ نے ان (اہل ایمان) کی دعائیں قبول کر لیں اور کہا کہ میں تم میں سے کسی کا بھی عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مَرد ہو یا عورت' تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔''

۵) ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾ (التوبۃ:۷۱)

''مؤمن مَرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں' بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحمت نازل کرے گا' یقیناً اللہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی ہے۔''

۶) ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل:۹۷)

''جو کوئی عمل صالح کرے گا' خواہ مَرد ہو یا عورت' بشرطیکہ وہ اہل ایمان ہو' تو ہم اس کو دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ان کو ان کے اعمال کی جزا میں بہت احسن اجر دیں گے۔''

۷) ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾ (النساء:۱۲۴)

''اور جو عمل صالح کرے گا' خواہ وہ مَرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ اہل ایمان ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔''

قرآن میں مساواتِ مَرد و زَن کے ساتھ مَرد کی فضیلت و فوقیت کے حدودِ اربعہ

۱) ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ﴾ (البقرۃ:۲۲۸)

''عورتوں کے لئے معروف کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مَردوں کے اُن پر حقوق ہیں البتہ مَردوں کو ان (عورتوں) پر ایک درجہ (فضیلت و فوقیت) حاصل ہے۔''

۲) ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ﴾ (النساء:۳۴)

''مَرد عورتوں کے سربراہ و نگران ہیں' اس لئے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت و فوقیت بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ مَرد اپنا مال اُن پر خرچ کرتے ہیں۔ پس صالح عورتیں اطاعت کرتی ہیں اور مَردوں کی غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ گھر کی دولت اور اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔''

۳) ﴿نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۪ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۳)

''تمہاری عورتیں (بیویاں) تمہارے لئے کھیتیاں ہیں' لہٰذا اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ اور اپنے مستقبل کے لئے اقدام کرو۔''

۴) ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ﴾ (آل عمران:۱٤)

''لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت مزین کی گئی ہے' جیسے عورتیں (بیویاں)' بیٹے' سونے چاندی کے ڈھیر' منتخب گھوڑے' مویشی اور کھیت کھلیان۔''

۵) ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب:۳۳)

''(اے بیویو!) اپنے گھروں میں قرار و وقار کے ساتھ ٹک کر رہو اور جاہلیت اُولیٰ کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔''

۶) ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ﴾ (الاحزاب:۵۹)

''اے نبی! کہہ دو اپنی بیویوں' بیٹیوں اور تمام اہل ایمان عورتوں سے کہ وہ (گھر سے باہر) اپنے اوپر چادرِ حجاب کا گھونگھٹ (چہرے پر) لٹکا لیا کریں۔''

۷) ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ﴾ (البقرۃ:۲۳٤)

''جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن گھر میں (زیب و زینت اور نکاح سے) روکے رکھیں۔''

۸) ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ﴾ (النساء:۱۱)

''اللہ تم لوگوں کو تمہاری (وارث) اولاد کے بارے میں ہدایت کرتا ہے کہ ایک مذکر (مرد) کا حصّہ وراثت دو مؤنث (عورتوں) کے حصّہ کے برابر ہے۔''

۹) ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ﴾ (البقرۃ:۲۸۲)

''اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو

عورتیں کافی ہیں جو تمہاری مرضی کے ہوں۔ دو عورتیں اس لئے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔''

قرآن میں مَرد وزَن دونوں کے لئے اکتسابی فضیلت وفوقیت کا میدانِ مسابقت

۱) ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا﴾ (النساء: ۳۲)

''جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت وفوقیت دی ہوئی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ مَردوں کو حصۂ ثمر وصلہ ملے گا اس میں سے جو انہوں نے (اپنے دائرہ کار میں) کمایا اور عورتوں کو حصۂ ثمر وصلہ ملے گا اس میں سے جو انہوں نے (اپنے دائرہ کار میں) کمایا اور اللہ سے اس کا فضل وکرم مانگو۔''

۲) ﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (المؤمن: ۴۰)

''جو بُرا عمل کرے گا تو وہ اسی برائی کے برابر بدلہ پائے گا' اور جو کوئی عمل صالح کرے گا' خواہ مَرد ہو یا عورت' بشرطیکہ وہ اہل ایمان ہو' تو ایسے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے جہاں وہ بے حساب رزق پائیں گے۔''

۳) ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (الحُجرات: ۱۳)

''اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مَرد اور ایک عورت سے تخلیق کیا اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے' تاکہ تم ایک دوسرے سے متعارف رہو۔ درحقیقت اللہ کے یہاں تم میں سے (مَرد ہو یا عورت) زیادہ اکرم واشرف وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے (یعنی جو حکم الٰہی کی زیادہ پابندی کرے اور حکم عدولی سے بچے)' یقیناً اللہ باعلم بھی ہے اور باخبر بھی ہے۔''

حاصل کلام:

مذکورہ بالا کل اُنیس (۱۹) آیاتِ قرآنی سے واضح ہو جاتا ہے کہ بحیثیت انسان ''مساواتِ مَرد و زَن'' ہونے کے باوجود گھر کی ریاست میں اس کے سربراہ (مَرد) اور منتظمہ (عورت) کے درمیان تقسیمِ کار متعین ہے۔ شروع کی جن سات آیات میں ''مساوات'' ہے ان ہی میں ایک انتہائی اہم نکتہ بھی مضمر ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں انسان کی تخلیق اوّل مَرد (آدمؑ) سے کی نہ کہ عورت (حوا) سے اور پھر اسی اوّلین مَرد کی جان سے عورت پیدا کی' حالانکہ دنیا میں انسان کو جنم دینے کا کام تو صرف عورت کی جان کے سپرد ہے جو تا قیامت جاری رہے گا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے مَرد کی ''اوّلیت'' کے ذریعہ اس کی فوقیت و فضیلت روزِ اوّل ہی قائم کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جن آیاتِ قرآنی میں مَرد اور عورت دونوں کا ذکر ہے وہاں پہلے مَرد کا ذکر ہے اس کے بعد عورت کا ذکر ہے۔ مزید برآں اسی اوّلیت یا فوقیت یا فضیلت کی بنا پر نبیٔ اوّل (آدم علیہ السلام) سے نبیٔ آخر (محمد ﷺ) تک سارے انبیاء و رُسل صرف مَرد ہی مامور من اللہ تھے۔ ان حقائق کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو گھر سے باہر کی تمام ذمہ داریوں اور آزمائشوں سے محفوظ و مامون رکھا ہے۔ لہٰذا عورتوں کو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی ساری توجہ اپنی ریاست (گھر) کے نظم و نسق' بچوں کی پرورش و نگہداشت اور ان کی تعلیم و تربیت پر مرکوز رکھنی چاہئے۔ البتہ اس ضمن میں وہ اللہ کی بیان کردہ اکتسابی فوقیت و فضیلت (بر بنائے حسنِ کارکردگی) کے ذریعہ مَرد پر برتری ضرور حاصل کریں اور اس پر قانع رہیں۔

بطور حرفِ آخر قارئین سے گزارش ہے کہ وہ موضوع زیرِ نظر پر پیش کردہ انیس (۱۹) آیاتِ ربّانی پر ایک نظر دوبارہ ڈال لیں جس کے بعد درج ذیل اصولی' بنیادی اور اہم ترین حکم الٰہی ذہن نشین فرمالیں' تاکہ ''مساواتِ مَرد و زَن'' کا قضیہ ہمیشہ کے لئے طے کیا جائے۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب:۳۶)

''کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ فرما دیں تو پھر ان (مؤمن مرد اور مؤمن عورت) کو اس معاملے میں خود کوئی اور فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے' اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ صریحاً گمراہ ہوگا۔''

بقیہ: ظروف واحوال

کی حامل ہوگی اور دنیا بڑی تیزی سے اس عالمی جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے جسے احادیث میں الملحمۃ العظمیٰ اور انجیل میں آرمیگاڈان کہا گیا ہے۔ اس جنگ میں اگرچہ اللہ کے دین سے بے وفائی کی پاداش میں مسلمانوں بالخصوص عالم عرب پر بہت بڑی تباہی کی خبر حضور ﷺ نے دی ہے لیکن بالآخر فتح اسلام کو ہوگی اور کل روئے ارضی پر اسلامی نظام قائم ہو کر رہے گا۔ تاہم موجودہ حالات میں ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ اللہ کی جناب میں توبہ کرتے ہوئے اپنی زندگیوں کو اللہ کے دین کے غلبے کے لئے وقف کر دیں تاکہ آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔ ○○

اطلاع برائے قارئین

معاون مدیر کے سفر حج کے باعث مارچ کا شمارہ بروقت شائع نہ ہو سکا تھا۔ لہٰذا زیر نظر شمارہ مارچ اپریل کی مشترکہ اشاعت کا حامل ہے۔ اس اعتبار سے اس کے صفحات میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

اسلام انتخابی سیاست کے ذریعے نہیں آ سکتا اس کے لئے انقلابی طریق کار ناگزیر ہے

تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد سے ایک فکر انگیز انٹرویو*

گفتگو: محمد صلاح الدین ' ثروت جمال اصمعی

قرآنی تعلیمات پر مبنی اپنے ٹی وی پروگرام الھدیٰ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد پاکستان کے علمی اور عوامی دونوں حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کا قیام زمانۂ طالب علمی ہی سے ان کی زندگی کا نصب العین ہے اور اس کی خاطر وہ اپنے انداز میں مسلسل سرگرم عمل ہیں۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے ابتدائی برسوں میں اس کے ناظم اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ پھر جماعت اسلامی میں شامل ہوئے اور مرکزی شوریٰ کے رکن بنے۔ لیکن بعض اختلافات کی بنا پر ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ کئی برس بعد تنظیم اسلامی کے نام سے اپنی ایک الگ جماعت بنائی جس کا مقصد انتخابی عمل کے بجائے انقلابی طریقہ کار اختیار کر کے اسلامی نظام قائم کرنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں اسلامی انقلاب کا کیا نقشہ ہے اور وہ اس کے لئے کس طرح کام کر رہے ہیں لوگ عموماً اس سے بہت کم واقف ہیں۔ اپنے قارئین کو اس بارے میں آگاہ کرنے کے لئے "تکبیر" نے چند روز پہلے کراچی میں ڈاکٹر صاحب سے ایک انٹرویو کا اہتمام کیا جس کی تفصیلات آپ کے سامنے ہیں۔

☆ محترم ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ کا یہ انٹرویو ہفت روزہ تکبیر کراچی میں فروری ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔

س: آپ اسلامی انقلاب کے داعی ہیں اور اس کے لئے آپ نے ایک الگ تنظیم کی بنیاد رکھی ہے۔ براہِ کرم تفصیل سے بتائیے کہ اس انقلاب کو برپا کرنے کا کیا نقشہ آپ کے ذہن میں ہے؟

ج: مجھے یہ طے کرنے میں دقت ہو رہی ہے کہ میں بات شروع کہاں سے کروں۔ اصل میں جب میں اسلامی انقلاب کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو سب سے پہلے مجھے یہ واضح کر دینا چاہئے کہ اس سے میری مراد کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ کچھ تعزیرات اور کچھ قوانین کی تنفیذ ہو جائے تو شاید اسلام کو قائم کرنے کا تقاضا اس سے پورا ہو جاتا ہے' جبکہ میرے نزدیک اقامتِ دین یا غلبۂ دین سے اصلاً جو شے مراد ہے وہ یہ ہے کہ پورا کورس آف لائف اور پورا سوشیو اکنامک سسٹم تبدیل ہو۔ زندگی کا پورا نظام ایک کل کی حیثیت سے اگر نہیں بدلتا تو محض جزوی اصلاح اسلام کو بدنام کرنے کا ذریعہ تو بن سکتی ہے لیکن اسلام کی کوئی مفید خدمت اس طرح انجام نہیں دی جا سکتی۔ اب ظاہر بات ہے کہ جب بھی پورے نظام کو بدلنے کے لئے کوئی جدوجہد کی جاتی ہے' کسی بھی معاشرے میں جو پاور اسٹرکچر رائج ہوتا ہے' وہ ہمیشہ کوشش کرتا ہے کہ جو نظام قائم ہے اسی کو برقرار رکھے' یعنی اسٹیٹس کو (status-quo) مینٹین رکھا جائے۔ اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ اگر سماجی سطح پر کچھ لوگوں کو نسلی اعتبار سے برتری حاصل ہے' سید ہیں' پیرزادے ہیں' جو سمجھتے ہیں کہ ان کو دوسروں کے مقابلے میں ایک بلند تر مقام حاصل ہے تو وہ ہرگز نہیں چاہیں گے کہ مروّجہ نظام جس سے ان کے مفادات وابستہ ہیں' تبدیل ہو۔ اسی طرح اگر سرمایہ دار کو کچھ خصوصی مراعات حاصل ہیں اور وہ معاشرے کے اوپر چھایا ہوا ہے تو وہ کبھی اس نظام کو بدلنا نہیں چاہے گا۔ جاگیردار' زمیندار بدلنا نہیں چاہے گا۔

اب جہاں تک معاملہ ہے سیاسی اور انتخابی عمل کا تو درحقیقت یہ جس شے کا نام ہے' میرے نزدیک اس کے کچھ مفید پہلو بھی ہیں اور اس کی کچھ تحدیدات (limitations) بھی ہیں۔ افادیت کا پہلو تو یہ ہے کہ کسی ملک میں جو نظام قائم ہے' اگر سیاسی عمل جاری رہے' الیکشن ہوتے رہیں تو بے چینی نہیں ہو گی اور مختلف طبقات

میں یا مختلف علاقوں کے لوگوں میں کوئی احساس محرومی پیدا نہیں ہوگا اور یہ کہ کچھ نہ کچھ بہتر ہاتھ اس نظام کو چلانے کے لئے ملتے رہیں گے' لیکن اس نظام کو اس طریق کار سے بنیادی طور پر کبھی بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو پاور اسٹرکچر ہے' ووٹ کے ذریعے اسی کی نمائندگی ہوگی اور جو لوگ اس پاور اسٹرکچر میں ووٹ لے کر بیٹھیں گے وہ کبھی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کو تیار نہیں ہوں گے۔ لہٰذا تشخیص ہمیں یہ کرنی ہوگی کہ کیا یہ نظام بنیادی طور پر غلط ہے یا اس میں صرف ثانوی اعتبار سے خرابیاں ہیں۔

میری تشخیص یہ ہے کہ یہ نظام اسلام کی رو سے بنیادی طور پر غلط ہے' اس لئے میں اس کی تبدیلی کے لئے محض سیاسی عمل کو مفید نہیں سمجھتا۔ میں قائل ہوں کہ سیاسی عمل ملک میں جاری رہنا چاہئے تاکہ بے چینیاں' بے اطمینانیاں' علاقائیت پرستی' علیحدگی پسندانہ رجحانات وغیرہ ختم ہوں۔ لیکن نفاذِ اسلام کے لئے انقلابی عمل ناگزیر ہے۔

اب مجھے بتانا ہوگا کہ انقلابی عمل کیا ہے۔ میرے نزدیک اس کے چھ مراحل ہیں جن میں سے گنتی کے اعتبار سے تو تین پہلے ہیں اور تین بعد میں' لیکن حقیقت میں وہ شروع ساتھ ہی ساتھ ہو جاتے ہیں' وہ ایک دوسرے کو اوور لیپ کرتے ہیں' یعنی پہلے مرحلے کے ساتھ ہی چوتھا بھی شروع ہو جاتا ہے' لیکن بیان کرنے میں وہ علیحدہ علیحدہ آئیں گے۔

کسی بھی انقلابی عمل کے لئے پہلے ایک انقلابی نظریہ ضروری ہے' اس نظریہ کی نشر و اشاعت ہو بھرپور طریقے پر جو بھی وسائل میسر ہوں ابلاغ کے' ان سب کو بروئے کار لا کر۔ یہ اس کام کا پہلا مرحلہ ہے۔

پھر جو لوگ اس نظریئے کو قبول کر لیں' فیس ویلیو پر' شعوری طور پر ان کو منظم کیا جائے' یعنی دوسرا مرحلہ تنظیم ہے۔

تیسرا مرحلہ ان لوگوں کی تربیت کا ہے اور اس تربیت کی مناسبت ہونی چاہئے اس نظام سے جو آپ لانا چاہتے ہیں۔

یہ تین ابتدائی مراحل ہیں اور ان کے نتیجے میں ایک انقلابی پارٹی وجود میں آ جاتی ہے۔ اس انقلابی پارٹی کے لئے میرے نزدیک ضروری ہے کہ جب تک وہ اپنی تعداد اور تنظیم و تربیت کے لحاظ سے اتنی مضبوط نہ ہو جائے کہ خود اپنے اندازے کے مطابق اپنے آپ کو کسی ڈائریکٹ ایکشن کے قابل محسوس کرنے لگے' اس وقت تک اس کے لئے لازم ہے کہ صرف یہی تین کام کرتی رہے' چوتھا کوئی کام نہ کرے' اس لئے کہ اگر کسی بھی وقتی سیاسی مصروفیت میں یا سوشل ورک یا ایسے ہی کسی اور کام میں وہ لگ جائے تو یہ اس کی قوت کا ضیاع ہوگا۔ لہٰذا اس کو ان ہی تین کاموں پر اپنی ساری توجہ مرتکز رکھنی چاہئے حتیٰ کہ وہ اپنے آپ کو اس قابل سمجھے کہ اب ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ ہم مروّجہ نظام کے خلاف کوئی راست اقدام کر سکتے ہیں۔

ان تین کاموں کے دوران جو چوتھا کام خود بخود ہوگا وہ یہ ہے کہ جیسے ہی آپ اپنا انقلابی نظریہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کریں گے' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو نظام رائج ہے آپ اس کی نفی کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ ظالمانہ ہے' یا باطل ہے یا غلط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اس نظام کے خلاف جارحیت کی ہے۔ نتیجتاً اس کی طرف سے ردّعمل ہوگا۔ یہ ردّعمل شروع میں زبانی کلامی ہوتا ہے۔ انقلاب کے علمبرداروں کو دیوانے' مجنوں وغیرہ کے خطابات سے نوازا جاتا ہے۔ پھر ذرا آگے بڑھ کر مروّجہ نظام کے کرتا دھرتا یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ آواز محض مجذوب کی بڑ نہیں ہے' بلکہ معاملہ سنجیدہ ہے اور سنجیدگی سے اس کا نوٹس لیا جانا چاہئے۔ یہ محض مشتِ غبار نہیں ہے بلکہ آندھی بن سکتا ہے۔ اس مرحلے پر تشدد شروع ہوتا ہے' مار دھاڑ' اذیت رسانی' گھروں سے نکالا جانا' خصوصاً نوجوانوں کو کیونکہ وہی کسی بھی انقلابی تحریک کا ہراول دستہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ سوسائٹی کا جو طبقہ کسی اعتبار سے دبا ہوا ہے وہ خاص طور پر اس چکی میں پستا ہے۔ اس پورے مرحلے میں Passive Resistance کی ضرورت ہوتی ہے۔ عدم تشدد' یعنی تمام مظالم کا جواں مردی سے مقابلہ' لیکن جواباً کسی پُرتشدد کارروائی سے گریز کرتے ہوئے۔

جب تک یہ انقلابی پارٹی خود کسی اقدام کی پوزیشن میں نہ آ جائے اس وقت تک اس کی جانب سے Passive Resistance لازم ہے۔ یہ دراصل چوتھا مرحلہ ہے جو پہلے مرحلے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔

پانچواں مرحلہ اُس وقت شروع ہوتا ہے جب یہ اندازہ ہو کہ ہمارے پاس طاقت ہے اور اب ہم کوئی راست اقدام کر سکتے ہیں۔ اس کو میں Active Resistance کہتا ہوں۔ یہ کام کس طرح ہوگا' اس کا فیصلہ درپیش حالات کی روشنی میں کیا جائے گا۔ میں اس کو یوں تعبیر کرتا ہوں کہ اس نظام کی کوئی دکھتی رگ چھیڑی جائے' کیونکہ اب اقدام کرنا آپ کا کام ہے۔ اور جس طرح پورا انسانی جسم ایک حیاتیاتی اکائی ہے اور کسی بھی عضو کو تکلیف پہنچے تو پورا جسم اسے محسوس کرتا ہے' اسی طرح پورا معاشرہ بھی ایک اکائی ہے۔ اس کی کسی بھی دکھتی رگ کو چھیڑنے کا مطلب پورے معاشرے کو چیلنج کرنا اور اس کی جانب سے ردّعمل کو دعوت دینا ہے۔ اُس وقت دیکھنا ہوگا کہ کون سے ایشو لے کر میدان میں آیا جائے اور اس پر مزاحمت شروع کی جائے۔ اس طرح کی مزاحمت کے جو طریقے بھی اس دَور میں تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں سامنے آتے ہیں وہ ہیں Demonstration' ایجی ٹیشن' پکٹنگ وغیرہ۔ یہ سارے طریقے جو تمدن کے ارتقاء نے فراہم کئے ہیں' اس مرحلے میں اختیار کئے جا سکتے ہیں۔

جب تک یہ دَور نہیں آیا تھا اس وقت تک ریاست اور حکومت کے درمیان فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص حکومت کو بدلنے کے لئے اٹھتا تھا تو باغی قرار پاتا تھا اور باغی واجب القتل ہوتا تھا۔ اب ہم اس دَور میں آ چکے ہیں جس میں ریاست ایک علیحدہ حقیقت ہے اور حکومت ایک علیحدہ حقیقت۔ حکومت دراصل ریاست کا ایک انتظامی ادارہ ہے جسے بدلنے کا حق عوام کو حاصل ہے۔ اس اصول سے ہمیں ایک سہولت حاصل ہوگئی ہے کہ کوئی شخص اگر اس مقصد کے لئے اٹھتا ہے تو وہ باغی قرار نہیں پاتا۔ اور چونکہ مسلح کشمکش والی بات بھی اب ایک حد تک بعید از امکان ہوگئی ہے' یعنی اس کا امکان اگرچہ بالکل ختم نہیں ہوا مگر بہت کم رہ گیا ہے' اس لئے اس کا بدل یہ ہے کہ کسی بھی ایشو

پر میدان میں آ کر مقابلہ کیا جائے۔

انقلاب کا یہ پورا خاکہ میں نے حضور ﷺ کی سیرت سے اخذ کیا ہے۔ اگر چہ یہ گفتگو کسی حوالے کے بغیر ہو رہی ہے مگر بین السطور آپ محسوس کر رہے ہیں کہ یہ پورا خاکہ وہیں سے ماخوذ ہے۔ اب میں خصوصیت کے ساتھ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے انقلابی عمل کے اس مرحلے میں ڈائریکٹ ایکشن لینے کے لئے کیا کیا تھا۔

حضور ﷺ نے مدینہ پہنچ کر چھ ماہ صرف اندرونی استحکام پر توجہ صرف کی۔ اس عرصے میں مسجد نبوی تعمیر کی۔ مواخات بین المہاجرین والانصار کا اہتمام فرمایا اور تیسرے یہ کہ یہودیوں سے معاہدے کر کے انہیں پابند کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی جارحیت کا ارتکاب نہیں کریں گے' اور بیرونی حملے کی صورت میں مشترکہ دفاع کیا جائے گا۔ اس کے فوراً بعد آپؐ نے ڈائریکٹ ایکشن کا آغاز کیا' جو یہ تھا کہ آپؐ نے چھاپہ مار دستے بھیجنے شروع کر دیئے۔ بدر سے پہلے پہلے ایسی آٹھ مہمات تاریخ کے ریکارڈ پر ہیں۔ ان میں سے جن میں آپؐ خود تشریف لے گئے وہ غزوات اور دوسرے سرایا کہلاتی ہیں۔

ان مہمات کا مقصد قریش کا پولٹیکل آئسولیشن اور مکّہ کی معاشی ناکہ بندی تھا۔ حضور ﷺ جہاں تشریف لے جاتے وہاں کسی قبیلے سے صلح کرتے' یعنی اسے حلیف بنا لیتے۔ یہ قبائل پہلے قریش کے حلیف تھے' حضور ﷺ سے معاہدے کے بعد یا تو وہ قریش کے حلیف نہیں رہتے تھے یا دونوں کے حلیف بن جاتے تھے۔ پہلی صورت میں تو آپؐ کی کامیابی بہت واضح ہوتی' اور دوسری صورت میں کم از کم یہ ہوتا کہ یہ قبائل مسلمانوں اور قریش کے درمیان غیر جانبدار ہو جاتے اور ان کی جانب سے جارحیت کا خطرہ باقی نہ رہتا۔ اِن کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کا دائرہ اثر سمٹتا چلا گیا اور وہ سیاسی طور پر الگ تھلگ ہوتے چلے گئے۔

مکّے کی معاشی ناکہ بندی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے قریش کی تجارتی

شاہراہوں کی جانب چھاپہ مار دستے بھیجے جس کے نتیجے میں ان کی جانب سے ردِّعمل ہوا اور اس طرح تحریک Active Resistance کے مرحلے میں داخل ہوگئی۔

سیرت نبویؐ کے اس مطالعہ کی روشنی میں تحریک کو اس مرحلے تک پہنچانے کا جو طریقۂ کار میں اب تک سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ حدیث کی اصطلاح کے مطابق نَھی عَنِ الْمُنکر بِالیَد یعنی برائی کو ہاتھ سے' طاقت سے مٹانے کا آغاز کیا جائے۔ اس کے لئے ہمیں معاشرے میں رائج کسی بھی منکر کو سنگل آؤٹ کرنا ہوگا' اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ محض اہل علم ہی کے سمجھنے کی بات نہ ہو بلکہ عوام کے احساسات بھی اس سے وابستہ ہوں تاکہ ان کی حمایت کسی نہ کسی درجے میں آپ کو حاصل رہے۔ اس طرح آپ اس طاقت کو چیلنج کریں گے جو اس منکر کو فروغ دے رہی ہے' نظام کو چلا رہی ہے۔ ظاہر ہے آج کے دَور میں یہ طاقت حکومت ہی ہوتی ہے۔ آپ اسے چیلنج کریں گے کہ ہم اب اس کام کو نہیں ہونے دیں گے۔ اس سے پہلے یہی جدوجہد نہی عن المنکر باللسان کے طور پر کی جاتی رہی ہوگی۔ لیکن اس مرحلے میں برائی کے خاتمہ کے لئے طاقت کا استعمال شروع ہو گا۔ اس مقصد کے لئے دورِ حاضر میں رائج مختلف طریقے مثلاً احتجاجی مظاہرے' جلوس' جلسے' پکٹنگ' سڑکوں پر دھرنا دے کر بیٹھ جانا وغیرہ اختیار کئے جائیں گے۔ لیکن یہ سب ہو گا بالکل پُرامن' اس اہتمام کے ساتھ کہ اپنے ہاتھ سے کسی انسان کو' کسی پراپرٹی کو' کوئی نقصان نہ پہنچنے دیا جائے۔ جب تک اس بات کا اطمینان نہ ہو جائے کہ اس انداز کی پُرامن تحریک شروع کی جاسکتی ہے اور جاری رکھی جاسکتی ہے' اس وقت تک سڑکوں پر آیا ہی نہ جائے گا۔ اتفاقی طور پر کوئی حادثہ ہو جائے تو بات الگ ہے لیکن اس مرحلے میں داخلے کا فیصلہ کرتے ہوئے ان امور کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے گا۔

اب اس کا نتیجہ بالفرض اگر یہ ہوا کہ حکومت وقت ہمارے مطالبے کو مان لے تو فبہا' ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے منکر کے خلاف جدوجہد جاری رہے گی۔ اگر حکومت تسلیم کرتی گئی تو میرے نزدیک اسی پراسس سے اسلام آ جائے گا' لیکن وہ اگر ایسا نہیں کرتی' جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ حکومتیں ان معاملات کو اپنی انا

کا مسئلہ بنالیتی ہیں' تو پھر وہ لاٹھیاں برسائے گی' گولیاں چلائے گی۔ اب اگر انقلابی پارٹی نے واقعتاً دعوت' تنظیم اور تربیت کے مراحل صحیح طور پر طے کر رکھے ہوں تو اس کے وابستگان اس راہ میں سختیاں برداشت کریں گے اور اپنی جانیں دیں گے۔ لیکن اس دَور میں یہ چیز ایک حد تک ہی ہوسکتی ہے' کیونکہ اب مسلم دنیا پر غیر ملکی آقاؤں کی حکومت نہیں ہے' بیرونی فوجوں کا قبضہ نہیں ہے۔ ہماری افواج ہیں' وہ کب تک لوگوں کو ماریں گی۔ حالات لازماً تبدیل ہوں گے اور وہ پارٹی جس نے یہ سارا کام کیا ہے' ٹیک اوور کرے گی۔

س: ڈاکٹر صاحب! اس میں ایک الجھن ہے اور وہ یہ کہ انبیاء کے زمانوں میں تو فریق صرف دو ہوتے تھے' ایک وقت کا اقتدار اور ایک اللہ کا نبی۔ جبکہ ہمارے زمانے میں مختلف طاقتیں سرگرم عمل ہیں۔ اب اگر آپ اپنی اسکیم کے مطابق کشمکش کے مرحلے میں داخل ہوں تو اس وقت بہت سی دوسری قوتوں کے کود پڑنے کا امکان پایا جاتا ہے۔ اس وقت آپ کس طرح اس بات کا اہتمام کریں گے کہ آپ کی تحریک آپ ہی کے ہدف کی طرف چلتی رہے اور دوسرے آپ کے کام کو غیر مؤثر بنا کر نہ رکھ دیں؟

ج: اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اس مرحلے کا آغاز اسی وقت کریں گے جب ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ اب ہم اسے سنبھال سکتے ہیں۔ پھر بھی کوئی اتفاقی حادثہ ہو سکتا ہے' اس امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس پروسس کے دوران یقیناً ایک پولرائزیشن ہوگی۔ اِس وقت جو پولرائزیشن ہو رہی ہے دین اس میں بنیادی ایشو نہیں ہے' دینی قوتیں اطراف میں ہیں' لیکن تحریک جاری رہی تو پھر دین کی بنیاد پر پولرائزیشن ہوگی۔ اگر ہماری دعوت میں اتنی جان بھی نہ ہو کہ دینی جماعتوں سے لوگوں کو کھینچ کر لا سکے تب تو کسی کامیابی کی توقع ہی فضول ہے۔ لیکن اگر دعوت واقعی جاندار ہے تو لوگ آئیں گے۔ دینی جماعتوں کی قیادتوں سے تو کوئی خاص توقع نہیں کی جا سکتی' کیونکہ ان کی چودھراہٹوں کا معاملہ ہے' مگر کارکنوں میں سے لوگ ضرور ملیں گے اور انقلاب اسی وقت آئے گا جب ایک قیادت ابھر کر سامنے آئے اور دوسری قیادتیں

یا تو ختم ہو جائیں یا اس کے تابع ہو جائیں۔ جب ایسا ہو جائے گا تو وہ خطرات باقی نہیں رہیں گے جن کا ذکر آپ نے کیا ہے۔

س: پاکستان کے موجودہ حالات میں آپ اس کے امکانات کس حد تک محسوس کرتے ہیں؟

ج: بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ لیکن ہم قدرتِ خداوندی اور نصرتِ خداوندی کے بھروسے پر کام کر رہے ہیں۔ اللہ کی مشیت سے حالات میں اچانک کوئی ایسا موڑ آ سکتا ہے جو ہمارے سان گمان میں بھی نہ ہو۔ سیرتِ نبویؐ میں یہ موڑ ہمیں ۱۰ نبوی میں' ہجرت سے تین سال پہلے نظر آتا ہے۔ مکّے میں دس برس تک دعوت دینے کے باوجود حضور ﷺ کے کام کے نتائج نہایت حوصلہ شکن ہیں۔ آپؐ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ آپؐ نئے مرکز کی تلاش میں طائف تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں ایک دن میں وہ کچھ ہو جاتا ہے جو مکّے میں دس برس میں ذاتی طور پر آپؐ کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ واپس آتے ہیں تو مکّے میں داخلے کے لئے ایک کافر مطعم بن عدی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے چھ بیٹوں کے ساتھ مسلح ہو کر آپؐ کو اپنی پناہ میں لے کر مکّے میں داخل ہوتا ہے۔ بتائیے ان حالات میں کہیں کوئی امید نظر آتی ہے!

لیکن چند مہینے بعد مدینے کے چھ افراد ایمان لے آتے ہیں۔ اگلے سال بارہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے اگلے سال ۷۲ ہو جاتے ہیں اور بالآخر مدینے میں اسلامی ریاست کے قیام کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ کی مشیت جب چاہے حالات کا رخ موڑ سکتی ہے' ہمارا کام کوشش کرتے رہنا ہے۔

س: آپ نے جو مثال دی ہے اس میں بس ایک ہی خلجان ہے کہ وہاں تو بس دو ہی متحارب گروپ تھے' مزید سیاسی گروہ بندیاں نہیں ملتیں' جبکہ موجودہ صورت حال اس سے بہت مختلف ہے؟

ج: میں نے یہ مثال تو دراصل مایوسی کے حوالے سے دی ہے کہ تاریک سے تاریک حالات میں بھی اللہ کی مشیت امید کی روشنی اور کامیابی کی شکل پیدا کر سکتی ہے۔

ورنہ جہاں تک اس دَور میں دیگر سیاسی گروہوں اور متحارب طاقتوں کا تعلق ہے تو ایسا نہیں ہے کہ وہ بس دو تک ہی محدود ہوں۔ مدینے پہنچ کر حضور ﷺ کو کم سے کم تین محاذوں پر مقابلہ کرنا پڑا۔ ایک طرف یہود اور ان کی ریشہ دوانیاں تھیں۔ وہ کھلم کھلا دشمن نہیں تھے۔ انہوں نے کبھی کھل کر آپ کا مقابلہ نہیں کیا۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ یہ کبھی آپؐ سے کھلے میدانوں میں مقابلہ نہیں کریں گے۔ دوسرے اندر سے خود ایک ففتھ کالمسٹ عنصر پیدا ہو چکا تھا' یعنی منافقین اور تیسرے باہر کے کھلے دشمن تھے۔ یعنی حضور ﷺ کے مقابلے میں ایک نہیں تین گروہ تھے' قریش' یہود اور منافق۔ اس لئے یہ سمجھنا درست نہیں کہ اس دَور میں رسول اللہ ﷺ کو بس ایک ہی محاذ کا سامنا تھا اور کشمکش دو ہی طاقتوں کے درمیان تھی۔

س: ہمارے سوالات کی ترتیب تو کچھ مختلف تھی' لیکن اب چونکہ اُمت میں انتشار کا موضوع چھڑ ہی گیا ہے اس لئے اسی حوالے سے ایک سوال ہے اور وہ یہ کہ قرآن نے ہمیں ایک ہی اُمت قرار دیا ہے' بلکہ قرآن تو تمام ہی انسانوں کو ایک اُمت بتاتا ہے ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اسی طرح اللہ نے ہر دَور میں ایک ہی دین اپنے نبیوں کے ذریعے بھیجا اور اس کے ماننے والوں کا نام کسی تفریق کے بغیر مسلم قرار دیا۔ قرآن کے الفاظ ہیں: ﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾ لیکن جو کچھ ہمیں اپنی تاریخ میں نظر آتا ہے' وہ یہ ہے کہ جو جماعت بھی اُمت میں لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلانے کے لئے اٹھی' بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے وابستگان اپنے داعی کی شخصیت سے عقیدت کے غلو میں مبتلا ہوئے اور اس جماعت نے آخر کار ایک علیحدہ گروہ اور فرقے کی شکل اختیار کر لی۔ اس طرح اُمت میں اتحاد کے بجائے مستقل نوعیت کی ایک نئی تقسیم وجود میں آ گئی' انتشار کی ایک نئی شکل پیدا ہو گئی' جبکہ انبیاء کا طریق کار یہ رہا ہے کہ انہوں نے کبھی اللہ کے دین کو اپنی ذات سے منسوب نہیں کیا۔ یہودی اور عیسائی سب بعد کی پیداوار ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں جتنے بھی لوگ اس کام کے لئے کھڑے ہوتے ہیں ان کے معتقدین عموماً ان کی زندگیوں ہی میں شخصیت پرستی

کے روگ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ آج کے دَور میں بھی جتنی دینی جماعتیں ہیں' اس سے پہلے جتنی جماعتیں وجود میں آئیں' جتنے مسلک بنے' سب اسی طرح سے بنے۔ آپ بھی جو کام کر رہے ہیں اس میں بھی اس بات کا پورا امکان پایا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت حال سے کس طرح نجات مل سکتی ہے اور مزید گروہوں میں تقسیم کے بجائے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کی کیفیت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟

ج: انتشارِ اُمت کے معاملے میں آپ کا مشاہدہ بالکل صحیح ہے۔ جو بھی اصلاحی تحریک اٹھی' ظاہر ہے وہ کسی نہ کسی فرد کی کوشش سے شروع ہوئی' کیونکہ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر۔ اس سے کوئی مفر نہیں ہے کہ بہر حال کوئی نہ کوئی شخص آگے بڑھ کر اس کام کا آغاز کرے گا۔ اسی طرح اس سے بھی کوئی مفر نہیں ہے کہ جو لوگ اس کے دست و بازو بنیں گے وہ اس کی شخصیت میں کشش اور اس سے محبت و تعلق کی ہی بنیاد پر اس کے گرد جمع ہوں گے۔ قائد کے کاز سے وابستگی کے ساتھ ساتھ خود اُس کی ذات سے اِک تعلقِ خاطر اس مقصد کے لئے بالکل ضروری ہے۔ یہ دونوں محبتیں کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لئے لازم ہیں اور اس میں واقعتاً یہ خطرہ موجود ہے کہ فوری طور پر' یا کچھ عرصہ کے بعد' وہ علیحدہ تشخص کے ساتھ ایک الگ فرقے یا جماعت کی شکل اختیار کر لے۔ یہ خطرہ بلاشبہ موجود ہے اور مَیں اس کو تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن آج تک کسی مجددِ اُمت نے اور کسی دینی خادم نے اس خطرے کی وجہ سے کام کرنا نہیں چھوڑا' حالانکہ جو مشاہدہ آج ہمیں ہو رہا ہے ممکن ہے وہ ابتدائی ایک دو صدی کے لوگوں کو نہ ہوا ہو' لیکن ان کے بعد اِن تحریکوں کا جو نتیجہ اس شکل میں نکلا وہ سب کے سامنے تھا' یعنی خالص خیر کے لئے بننے والی جماعتوں سے بھی فرقے وجود میں آ گئے۔ اس صورتِ حال میں' مَیں سمجھتا ہوں کہ اس خطرے کی موجودگی کے باوجود اصلاحی تحریکوں کا برپا کیا جانا ضروری ہے اور اس خطرے سے ان کی ضرورت کی نفی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ اس کام میں خیر کا پہلو خطرے کی نسبت سے زیادہ ہے۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ اس خطرے سے بچنے کی کیا احتیاطی تدابیر ہو سکتی ہیں جنہیں

اختیار کیا جانا چاہئے' اس مقصد کے لئے سب سے پہلی بات جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ شخصیتوں کو ابھارنے کے لئے کسی مصنوعی عنصر کا استعمال نہ کیا جائے۔ اگر کسی شخص میں واقعی اتنی صلاحیت ہے اور حقیقتاً وہ اتنا عظیم ہے تو آپ اسے کب تک چھپائیں گے۔ سورج کو کب تک غلافوں میں لپیٹ کر رکھا جا سکے گا۔ لیکن اس میں کوئی مصنوعی عنصر نہیں ہونا چاہئے' یہ پہلی احتیاط ہے۔

دوسری تدبیر یہ ہے کہ اپنی حد تک وہ شخص پوری کوشش کرے کہ اس کی ذات سے عقیدت میں غلو اُس کے ساتھیوں اور متبعین میں پیدا نہ ہونے پائے۔ مثال کے طور پر حضور ﷺ کے سامنے ایک صحابی نے کہہ دیا کہ ''مَا شَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتَ''۔ یعنی ''جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں''۔ آپؐ نے اس بات پر فوراً ٹوک دیا اور فرمایا ''کیا تم نے مجھے اللہ کا مدمقابل سمجھ لیا ہے؟'' یعنی مشیت صرف اللہ کی ہے۔ حضور ﷺ کی زندگی میں یہ احتیاط برابر کارفرما نظر آتی ہے۔ آپؐ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے اور فرماتے: ''بندہ ہوں' بندے کی طرح کھاتا ہوں''۔ قرآن بھی وضاحت کرتا ہے کہ نبی بھی تمہارے ہی جیسا بشر ہے' فرق صرف یہ ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔

ان دو احتیاطوں کے علاوہ تیسری چیز اس بات کی کوشش ہے کہ اس جماعت کے اندر ایک سیکنڈ لائن ایسے افراد کی اُبھر کر سامنے آئے جن کی وفاداری و وابستگی تحریک کے نظریئے سے' شخصی وابستگی و تعلق کے مقابلے میں بالا و برتر ہو۔ عوام کے اندر تو یہ نہیں ہوتا۔ عوام کی صفوں سے آپ کو کارکن چاہئیں۔ ان کے لئے اگر آپ یہ قدغن لگا دیں گے تو آپ کی رفتار سست ہو جائے گی۔ لیکن پارٹی کے اندر قیادت کی صفوں میں اس کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔

ان تین احتیاطی تدابیر کے ساتھ کام کو چلانا چاہئے' کیونکہ یہ کام بہرحال فرض ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح قرآن میں شراب اور جوئے کے بارے میں آیا ہے کہ اس میں لوگوں کے فائدے کی نسبت نقصان زیادہ ہے اس لئے یہ حرام ہے' اسی طرح اس زیر بحث مسئلہ میں اگرچہ مضرت کا پہلو بھی ہے لیکن اس کی افادیت مضرت کی

نسبت زیادہ ہے اس لئے یہ کام کیا جانا چاہئے۔

س: قرآن نے تفرقے کا جو سبب بتایا ہے اس کے لئے ''بَغْیًا بَیْنَھُمْ'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں' یعنی لوگوں میں تفرقہ ہمیشہ ایک دوسرے پر زیادتی کرنے اور اپنی برتری قائم کرنے کے جذبہ کی وجہ سے رونما ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس اُمت میں جو تفرقے ہوئے' یا آج ہیں یا آئندہ ہوں گے' کیا ان کا سبب بھی یہی نہیں ہے؟

ج: یہ اصل میں دو الگ الگ باتیں ہیں۔ ایک ہے تفرقہ اور اس کے اسباب اور ایک ہے شخصیت پرستی کا معاملہ۔ میں نے اپنی گفتگو صرف شخصیت پرستی کے موضوع تک رکھی ہے کہ اس کا راستہ کس طرح روکا جا سکتا ہے۔

اب جہاں تک تفرقہ کا تعلق ہے تو آپ نے بالکل صحیح حوالہ دیا ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن نے تفرقے کا سبب یہی ''بَغْیًا بَیْنَھُمْ'' بتلایا ہے۔ تفرقہ جب بھی ہوتا ہے اسی بناء پر ہوتا ہے۔ جدید سائیکالوجی کی ایک اصطلاح اس ''بَغْیًا بَیْنَھُمْ'' کے بہت قریب پہنچ گئی ہے اور وہ ہے The urge to dominate ایڈلر کے فلسفے میں انسان کا بنیادی داعیہ اسی کو بتایا گیا ہے۔ اگرچہ ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے' تاہم جس طرح فرائڈ کے ہاں جنس ہے' مارکس کے ہاں معاش ہے اسی طرح ایڈلر کے ہاں urge to dominate ہے۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ تفرقے کا سبب یہی جذبہ بنتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تفرقہ کیا ہوتا ہے۔

تفرقہ یہ ہے کہ آپ ایک چیز کو حق سمجھنے کے باوجود قبول نہ کریں۔ تفرقے کی جڑ یہ ہے اصل میں۔ البتہ اگر آپ کسی مغالطے اور غلط فہمی کی وجہ سے کسی چیز کی مخالفت اسے غلط سمجھ کر کر رہے ہیں خواہ اصلاً وہ حق ہی ہو' تب یہ تفرقہ شمار نہیں ہوگا۔ تفرقے کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ کسی چیز کی صداقت پر آپ کا دل مطمئن ہو اور گواہی دے' لیکن آپ صرف اپنی انانیت کی وجہ سے اسے تسلیم نہ کریں۔ اس کی سب سے بڑی مثال قرآن مجید میں یہود کی دی گئی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں: ﴿یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ﴾ ''وہ نبی کو ایسے

پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں''۔لیکن اس کے باوجود انہوں نے سب سے بڑھ کر مخالفت کی۔

بہرحال برتری قائم کرنے اور رکھنے کا یہ جذبہ شخصیت پرستی کے ساتھ مل کر فرقہ بندی کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ دو چیزیں جو الگ الگ ہیں' ایک دوسرے کو سہارا دیتی ہیں' یعنی جن لوگوں کو اپنی انانیت کی وجہ سے تفرقہ میں مبتلا ہونا ہی ہے وہ کسی شخصیت کی آڑ لے کر اور اسے بلڈاپ کر کے ایک فرقے کی شکل دے دیتے ہیں۔

س: اس میں ایک ذرا سا فرق یہ ہے ڈاکٹر صاحب کہ اللہ کا نبی جو بات کہتا ہے وہ تو وحی کے ذریعے آتی ہے' وہ اسی حوالے سے اسے پیش کرتا ہے' اس لئے وہاں تو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہوتی' لیکن اس سے ہٹ کر جتنے بھی افراد ہیں' ان کے افکار ونظریات کو یہ درجہ بہرحال حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان سے اختلاف کرتے ہوئے ایک صورت یہ بھی پیش آسکتی ہے کہ جسے ایک آدمی حق سمجھ رہا ہے اسے دوسرا آدمی حق نہ سمجھ رہا ہو اور اس کا سبب دونوں کے فہم وشعور کا اختلاف ہو تو اس صورت میں تو وہ شکل پیدا نہیں ہوتی جو کسی نبی سے اختلاف کی صورت میں ہوتی ہے' کیونکہ نبی تو مامور من اللہ ہوتا ہے' اس کے بعد لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں تو نوعیت بدل جاتی ہے' لیکن عام حالات میں اگر ایک آدمی دوسرے کے دلائل سے مطمئن نہیں ہوتا اور شرحِ صدر کے ساتھ سمجھتا ہے کہ اس کی بات درست نہیں ہے تو اس سے اختلاف کی ایک دوسری صورت پیدا ہوتی ہے۔ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: اس میں دو عوامل ہیں۔ ایک تو یہ کہ نبوت تھی ہدایت کے لئے۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا لیکن ہدایت کا تو کوئی نہ کوئی سلسلہ قائم ہے۔ اس کے لئے آپ کی بیان کردہ دونوں صورتوں میں بنیادی فرق نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جو بھی انتظام کرے اس کے تحت لوگوں کے اوپر ایک دفعہ انکشافِ حق کرتا ہے تب حجت قائم ہوتی ہے۔ آخری درجے میں قیامِ حجت کا ذریعہ نبوت تھی۔ لیکن اب بھی اگر آپ انفرادی سطح پر اس معاملے کو لیں تو صورت یہی ہوتی ہے کہ ایک شے کی حقانیت آدمی کو ایک جھلک دکھا دیتی ہے۔

اس کے بعد اخلاص کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ صداقت کو مانتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس دَور میں بھی کوئی دعوتِ حق بلند ہوگی تو جلد یا بدیر مختلف لوگوں کے اوپر وہ مرحلے آئیں گے کہ حقیقت انہیں اپنی جھلک دکھائے گی۔ یہ میں اپنے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں' اصولی بات ہو رہی ہے کہ طریق نبویؐ کے مطابق کوئی بھی دعوتِ حق برپا ہو تو اس کے ذریعے لوگوں پر حق کی حجت بہرحال تمام ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ جب ایک دعوت شروع ہوتی ہے تو وہ چونکہ ایک متحرک چیز ہے اس لئے وہ رفتہ رفتہ اپنے اثرات قائم کرے گی اور جس طرح میں نے پہلے عرض کیا کہ پھر معاشرے میں پولرائزیشن کا عمل ہوگا۔ جن جن پر حق کا انکشاف ہوتا جائے گا وہ اس دعوت کے ساتھ شامل ہوتے چلے جائیں گے اور جن کے دلوں میں سختی ہوگی وہ روز بروز بڑھتی چلی جائے گی اور بالآخر وہ اس دعوت کے مقابلے میں آ جائیں گے۔ یہ عمل ایک وقت لے گا لیکن اس عرصے میں حق سے تعلق' ہمدردی اور وابستگی رکھنے والے ایک مرکز پر جمع ہوتے جائیں گے اور ہر طرف سے کٹ کٹ کر اس دعوت سے جڑتے جائیں گے جس کے نتیجے میں بالآخر حق و باطل کی دو واضح طاقتیں' خواہ وہ چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے اشتراک سے ہی بنی ہوں' وجود میں آ جائیں گی اور پھر اُن کا دوبدو مقابلہ ہوگا۔ جب تک یہ نہ ہو انقلاب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

س: ڈاکٹر صاحب! اس معاملے میں الجھن یہ ہے کہ پوائنٹ آف ریفرنس تو مشترک ہے' مثلاً آپ کا پوائنٹ آف ریفرنس وہی ہے جو مولانا مودودیؒ کا ہے' یا جو مولانا امین احسن اصلاحی یا مولانا وحید الدین خان کا ہے۔ ہمارا اعتبار اسی دین کے حوالے کی وجہ سے آپ پر بھی ہے اور ان دوسرے افراد پر بھی۔ لیکن یہ تمام حضرات بعض مسائل کے بارے میں جو نتائج اخذ کرتے ہیں وہ مختلف ہوتے ہیں۔ اب ایک الجھن یہ پیدا ہوتی ہے کہ ایک ہی حوالے سے آنے والی ان مختلف تعبیرات کی صورت میں آدمی کہاں جائے جبکہ اس کے نزدیک یہ سارے ہی لوگ اپنی دیانت' اخلاص اور کردار کی بناء پر اس کے نزدیک یکساں طور پر محترم اور قابل اعتماد ہیں' اس دشواری کا

کیا حل ہے؟

ج: پہلی بات تو یہ کہ آپ نے اس سوال کو بہت محدود کر دیا ہے۔ آپ جن حلقوں کو لے رہے ہیں وہ دراصل ایک ہی حلقہ ہے' ورنہ یہ مسئلہ اس سے کہیں زیادہ گھمبیر ہے۔ مجھ سے ایک مرتبہ لاہور میں ایک طالب علم نے سوال کیا کہ ایک درسِ قرآن آپ دیتے ہیں' ایک مولانا مودودیؒ دیتے ہیں' ایک پرویز صاحب دیتے ہیں' ایک فلاں مولوی صاحب دیتے ہیں تو اب آخر کس کی بات کو درست مانیں۔ تو معاملہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ درحقیقت بہت وسیع ہے۔ یہاں صوفیاء کے مختلف حلقے ہیں' تبلیغی جماعت ہے' علماء کی مختلف تنظیمیں ہیں۔ مختلف دینی مدارس کے لوگ ہیں اور ایک شخص کو ان سب کے افکار سے سابقہ پیش آتا ہے۔

بہرحال اس طالب علم کو میں نے اس وقت جو جواب دیا تھا وہ یہ تھا کہ بھائی اگر قرآن یا دین کوئی سینہ بسینہ علم ہوتا' کوئی کھلی کتاب نہ ہوتی' کوئی کھلا دین نہ ہوتا یا عربی کوئی مردہ زبان ہوتی جسے سیکھنے کے لئے کہیں سات سمندر پار جانا ضروری ہوتا اور جان جوکھوں میں ڈالنی پڑتی' تب تو آپ کا سوال درست ہوتا اور آپ کی مشکل حقیقی مشکل ہوتی۔ لیکن خوش قسمتی سے ایسا ہے نہیں۔ عربی زندہ زبان ہے' قرآن عربی مبین میں ہمارے سامنے موجود ہے' اس لئے قرآن وسنت کا خود مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ کس کی بات کس معاملے میں کہاں تک اس معیار کے مطابق ہے اور کہاں تک نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ لوگ اپنی آنکھیں بند رکھنے اور اندھے کی طرح اپنی لاٹھی دوسروں کے ہاتھ میں دینے کی بجائے لنگر لنگوٹ کس کر خود میدان میں اتریں' دین کا علم حاصل کریں اور پھر دیکھیں کہ کس معاملے میں کس کی دلیل مضبوط اور کس کا موقف قرآن وسنت کے مطابق ہے' پھر جس کی بات درست نظر آئے اسے فوراً قبول کریں اور اس کے دست و بازو بنیں۔ کیونکہ دعوتِ دین کی جدوجہد سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھنے کے لئے یہ دلیل ہرگز درست نہیں ہے کہ اس کے علمبردار مختلف مکاتیب فکر میں بٹے ہوئے ہیں۔ آج آپ کو جس کی بات اپیل کر رہی ہے آج اس کا

ساتھ دیجئے۔ آج کی تاریخ میں اس سے علیحدہ رہنا جائز نہیں ہے۔ البتہ آنکھیں کھلی رکھئے' کان کھلے رکھئے' دیکھتے رہئے' سوچتے رہئے اور خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہئے۔ جب کوئی اس سے بہتر نظر آئے تو اس کا ساتھ دیجئے۔

س: اس میں ایک اور دشواری یہ ہے کہ آدمی کے لئے کلی اتباع کی صورت نہیں بنتی۔ مثلاً ایک شخص کو اپنی حد تک مطالعے اور تلاش و تحقیق کے بعد ایک معاملے میں آپ کی رائے صحیح نظر آتی ہے اور اس میں وہ آپ کے ساتھ چلنا چاہتا ہے۔ دوسرے معاملے میں کسی دوسرے صاحب علم کی رائے اس شخص کو اپنے فہم و شعور اور مطالعہ کی روشنی میں زیادہ صائب اور قابل ترجیح نظر آتی ہے اور کسی تیسرے معاملے میں کسی اور کی رائے اسے صحیح تر معلوم ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ کلی اتباع تو نبی ہی کی ممکن ہے جو اپنی تعلیم وحیٔ الٰہی کی سند کے ساتھ پیش کرتا ہے' لیکن نبی کے بعد ایک شخص کو جو یہ دشواری پیش آتی ہے اس کا حل کیا ہے؟

ج: بات بہت پیارے انداز میں آگے بڑھ رہی ہے اور ان شاء اللہ اس کے نتیجے میں بہت سی الجھنیں صاف ہوں گی۔

اس میں جو اصل مغالطہ ہے وہ مختلف مسئلوں کو یکساں اہمیت دے دینا ہے' جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ جہاں تک علمی اختلافات کا تعلق ہے تو اس بات میں ہرگز کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص اپنی تلاش و تحقیق کی روشنی میں کسی معاملے میں ایک فرد کی رائے کو بہتر سمجھے اور اس کی پیروی کرے اور کسی دوسرے معاملے میں کسی دوسرے فرد کی رائے کو ترجیح دے۔ اس علمی اختلاف کو کسی تحریک کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہونا چاہئے۔

فیصلہ جس بات میں کیا جانا ہے وہ یہ ہے کہ دعوت کس کی صحیح ہے' کس کا طریق کار بنیادی طور پر درست ہے۔ اس میں بھی سو فیصد اتفاق ضروری نہیں ہے۔ آنکھیں اور کان اور دل و دماغ کے دروازے اس میں بھی کھلے رکھنے ضروری ہیں۔ اندھی تقلید تو دراصل تحریک کو اپنے ہی ہاتھوں دفن کر دینے کے مترادف ہے۔ فیصلہ صرف یہ کرنا ہوگا کہ کس کی دعوت کا اساسی خاکہ درست ہے' طریق کار کے بنیادی اصول صحیح ہیں اور

تیسرے یہ کہ کس کی شخصیت پر اپنی امکانی حد تک تحقیق کے بعد سب سے زیادہ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس حد تک اتفاق ہو تو پھر ایسے شخص کا ساتھ دینا چاہئے' لیکن اس کے ساتھ علمی مسائل میں بالکل آزادی کے ساتھ غور و فکر اور تحقیق و جستجو کا عمل جاری رکھتے ہوئے جس کی رائے بہتر نظر آئے اسے اختیار کرنا چاہئے۔

میں یہاں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں دراصل تنظیم اسی نہج کی بنانا چاہتا ہوں جس میں آزادیٔ خیال پر کوئی قدغن اور کوئی جبر نہ ہو۔ اگر ایک شخص کو میرے پیش کئے ہوئے بنیادی اصولوں سے اس حد تک اتفاق ہو کہ وہ میرے ہاتھ پر بیعت کر لے تو پھر وہ میرا ساتھی ہے۔ اس کے بعد میں اس کے کانوں پر' اس کی آنکھوں پر کوئی مہر نہیں لگانا چاہتا۔ البتہ جیسا اسے مجھ سے اختلاف کا حق ہے ویسا ہی مجھے بھی ہے۔ اس کی ایک مثال سعید الرحمٰن علوی صاحب کا وہ مضمون ہے جو وہ گزشتہ چند ماہ سے میثاق میں لکھ رہے تھے۔ اس میں انہوں نے مولانا مودودیؒ کے بارے میں بھی بہت سی ایسی باتیں لکھیں جن سے مجھے اختلاف تھا۔ لیکن میں نے انہیں اس کا پورا موقع دیا۔ لیکن اب تازہ میثاق (فروری ۱۹۸۶ء) میں اسی موضوع پر میرا مضمون آ رہا ہے جس میں میں نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے نزدیک مولانا مودودیؒ چودھویں صدی کی عظیم اسلامی شخصیات میں شامل ہیں' ان کا بڑا بلند مقام ہے' ذاتی طور پر میں تو ان کا بہت ہی ممنونِ احسان ہوں۔ یہ سب میں نے کھل کر لکھا ہے اور میثاق کے آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ آ جائے گا۔

میں نے اصل میں کانگریس میں تنظیم کا طریق کار دیکھا کہ اس میں کھلے اختلاف کی گنجائش ہے۔ یہاں تک کہ گروپس بھی بنے ہوئے ہیں' الگ الگ بلاک بنے ہوئے ہیں' مسائل پر کھلی گفتگو پر کہیں کوئی قدغن نہیں ہے۔ البتہ جب پارٹی کا ایک فیصلہ ہو جائے تو اس کے مطابق معاملات چلتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ غلبۂ اسلام کی تحریک میں بھی فکر و خیال کی یہی آزادی ہونی چاہئے۔ اس میں صرف ایک مسئلہ قیادت کی بار بار تبدیلی کا پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کبھی کسی کو لیڈر چن لیں گے اور کبھی کسی کو۔ اس مسئلے کو حل

کرنے کے لئے میں نے بیعت کا طریقہ اختیار کیا ہے' جس میں یہ مطالبہ کہیں نہیں ہے کہ آپ اندھے بہرے اور گونگے بن کر ہر معاملے میں اس کی تقلید کریں۔ صرف دعوت کے بنیادی اصولوں' طریق کار اور داعی کی شخصیت پر اعتماد ضروری ہے۔ اس کے بعد مسائل پر اظہارِ خیال کی کھلی آزادی ہے جس کے نتیجے میں مسائل کے مختلف رخ سامنے آئیں گے' ذہن بنیں گے' رفتہ رفتہ مختلف ایشوز پر اتفاق رائے کی شکل بھی نکلے گی اور اس طرح خوب سے خوب تر کی طرف سفر جاری رہے گا۔

س: ڈاکٹر صاحب! بیعت کا عمومی تصور کلی اتباع کا ہے' ایسی صورت میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص آپ سے بیعت ہونے کے بعد علمی معاملات میں اختلاف کر سکے؟

ج: بیعت کا تصور کلی اتباع کا قطعی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بار بار میں جو حدیث بیان کرتا ہوں اس کا مفہوم یہ ہے کہ: ''جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے' کسی ملامت کرنے والے کے ڈر سے اپنی زبانوں پر تالے نہیں ڈالیں گے'' ـــــ لیکن جو صاحبِ امر ہے اگر اس کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہے تو ماننا ہوگا۔

میرے نزدیک درحقیقت اس نوع کی جماعت جس کا ذکر ہو رہا ہے' صرف بیعت ہی سے بن سکتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو' بلکہ قیادت کے لئے انتخابی نظام رائج ہو تو پھر ووٹ فیصلہ کن حیثیت اختیار کر لیتا ہے' پھر ضرورت اس کی ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو ووٹ دینے کا اختیار ملنا ہے' انہیں یہ اختیار دیئے جانے سے پہلے مہینوں اور برسوں تک ایک خاص پروسس سے گزار کر ایک مخصوص طرز میں ڈھال دیا جائے' اور نظم کو اُن پر پورا اعتماد ہو جائے تب اُن کے ہاتھ میں ایک ووٹ دینے کا خطرہ مول لیا جائے گا۔ اسی طرح سے ایک خاص طرز کی جماعت وجود میں آتی ہے جس میں سارا زور ممبر شپ پر آ جاتا ہے' جبکہ بیعت کے اس نظام میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جو میرا ساتھ دیتا ہے' حتیٰ کہ میرے لئے محض دعا ہی کرتا ہے وہ میرا ساتھی ہے۔ بیعت کرنے والا صرف ایک نظم کی پابندی کا معاہدہ کرتا ہے' ورنہ میرے کاز کا ہر خیر خواہ میرا ساتھی ہے۔ اس

نظام میں قیادت کی تبدیلی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ بیعت کرنے والا یہ بھی لکھ کر دیتا ہے کہ آپ جسے امیر بنا دیں گے ہم اس کا حکم بھی اگر شریعت کے دائرے میں ہوا تو اسی طرح مانیں گے جس طرح آپ کا مانتے ہیں۔ اس طریقے سے نہ تو اوپر کا سٹرکچر ڈسٹرب ہونے کا کوئی اندیشہ ہوتا ہے' قیادت کا تسلسل برقرار رہتا ہے۔ انتخابی طریقے میں جو حفاظتی اقدامات کرنے پڑتے ہیں وہ یہاں خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں' اور وابستگانِ تحریک میں کسی درجہ بندی کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ فلاں کو ووٹ کا حق حاصل ہے اور فلاں کو نہیں ہے' کیونکہ اصل فیصلہ کن شخصیت یعنی داعیٔ تحریک اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ اس نظام میں کھلی گفتگو اور آزادیٔ فکر کی انتہائی گنجائش موجود ہوتی ہے اور اس میں کسی انتشار کا خدشہ نہیں ہوتا۔ یہ ماحول ایسی ہی جماعت میں ممکن ہے' دوسری جماعتوں میں ایک بند قسم کا نظام لازماً پیدا کرنا پڑتا ہے۔

س: لیکن اس نظام میں ایک قباحت تو ہے' اور وہ یہ کہ سارا نظام اس شخص کی زندگی کے ساتھ تو چل سکتا ہے' اس کے بعد قیادت کا تسلسل اور وہ پورا اسٹرکچر جو اُس نے قائم کیا تھا' کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟

ج: اس نظام میں قیادت کا تسلسل قائم رکھنے کی کئی شکلیں ہیں اور وہ سب کی سب ہمارے قرنِ اوّل میں ہمارے سامنے آ چکی ہیں' نظیریں قائم ہو چکی ہیں۔ اگر تحریک داعیٔ اوّل کی زندگی میں کامیاب ہو کر اسٹیٹ کے درجے تک پہنچ جائے' تب تو ریاست کا شورائی نظام اس امر کا فیصلہ کرے گا کہ قیادت کس طرح چلے اور سربراہِ مملکت کون ہو۔ اور یہ کام بہرحال الیکشن سے ہوگا۔ وہ جمہوری پروسس جو آج کا ہے اور جو تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں آج اس مرحلے تک اسی طرح پہنچا ہے جیسے تلوار سے توپ تک ارتقاء ہوا ہے' اس مرحلے میں عمل میں آئے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں سے کوئی چیز حرام نہیں ہے' سب مباح کے درجے میں ہے اور اسلام کے ساتھ اسے شامل کیا جا سکتا ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ یہ کام کسی ایک جنریشن کے اندر نہ ہو' جیسا کہ حالات بتاتے ہیں۔ تاریخ میں ایک ہی بار یہ کارنامہ نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں ایک ہی نسل کے

ہاتھوں انجام پایا ہے۔ اور بظاہر یہ بہت دشوار ہے کہ پھر کبھی ایسا ہو سکے۔ ایسی صورت میں تحریک کی قیادت کا تسلسل کس طرح برقرار رکھا جائے گا' اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ اگر داعی کو اپنے ساتھیوں پر پورا اعتماد ہو کہ وہ صحیح آدمی کو منتخب کر لیں گے تو وہ فیصلہ ان ہی پر چھوڑ کر جا سکتا ہے۔ جیسا کہ خود حضور اکرم ﷺ نے کیا۔ دوسری شکل یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی میں اپنے جانشین کو نامزد کرے' جیسا حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے کیا اور تیسری شکل یہ ہے کہ معاملہ کسی کمیٹی کے حوالے کر جائے' جس کی مثال خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق ؓ نے قائم کی۔

البتہ بیعتِ ریاست اور بیعتِ جماعت میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ بیعتِ ریاست جب ہو جائے تو وہ ہر شخص کو ماننا پڑے گی' کیونکہ اس کا دائرہ کار ٹیری ٹوریل ہوتا ہے جبکہ بیعتِ جماعت کی کوئی ٹیری ٹوریل جیورس ڈکشن نہیں ہے۔ اس لئے اس میں وہ لوگ جنہیں قائد کی شخصیت پر اعتماد نہ ہو' اپنی بیعت فسخ کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ جانشین ہی کے ساتھ نہیں ہے' داعیٔ اوّل کے معاملے میں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کا خیال اس کے بارے میں بدل جائے' اس کے فہم و شعور یا کردار پر اعتماد باقی نہ رہے' ایسی صورت میں بیعت جماعت فسخ کر دینا قطعاً کوئی غلط حرکت نہیں ہے۔ اگر دل میں کسی کھوٹ کی وجہ سے ایسا کیا گیا تو اس کی جواب دہی اللہ کے ہاں ہو گی' لیکن قانونی طور پر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

س: آپ نے ابھی داعیٔ اوّل کی اصطلاح استعمال کی ہے' کیا حضور اکرم ﷺ کے بعد اُمت مسلمہ کی کسی تحریک کے داعی کے لئے اس اصطلاح کا استعمال درست ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر ریاست پر کوئی حملہ ہو اور سربراہ ریاست جہاد کا اعلان کرے لیکن داعیٔ تحریک اسے جہاد قرار نہ دے تو ان لوگوں کو جو اُس سے بیعت بھی ہیں اور ریاست کے شہری بھی ہیں' کیا کرنا چاہئے؟

ج: آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ داعیٔ اوّل صرف حضور ﷺ ہیں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہر چیز کی ایک میکینکس ہے اور تحریکوں کی

میکینکس یہ ہے کہ ایک داعی کے بغیر کوئی تحریک شروع نہیں ہوسکتی۔ اس لئے ہر دَور میں جس شخص نے اُمت کے اندر کوئی تحریک برپا کی وہ اس تحریک کا داعیٔ اوّل ہے۔ مثلاً سید احمد شہیدؒ اپنی تحریک کے داعیٔ اوّل تھے' مولانا مودودیؒ داعیٔ اوّل تھے اس تحریک کے۔ اگرچہ مجھے اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے' میں اس دَور کی اسلامی تحریک کا داعیٔ اوّل مولانا ابوالکلام آزاد کو سمجھتا ہوں اور داعیٔ ثانی مولانا مودودیؒ کو' البتہ جماعت اسلامی کے داعیٔ اوّل مولانا مودودیؒ ہی ہیں۔ جہاں تک حضور اکرم ﷺ کے مقام کا تعلق ہے تو ان کی حیثیت داعی کی نہیں رسولؐ کی ہے۔

اب جہاں تک یہ بات ہے کہ داعیٔ اوّل دوسرے لوگوں سے ممتاز کس بات میں ہوتا ہے تو ایسا نہیں کہ وہ یہ دعویٰ لے کر اٹھتا ہو کہ مجھ سے بڑھ کر متقی اور دیندار کوئی اور نہیں ہے۔ اصل میں جو چیز اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ دعوت کے مشن کو اپنی زندگی کا واحد نصب العین بنالینا اور اسی کی خاطر جینا اور مرنا ہے۔ اسی بنا پر لوگ اس کے گرد جمع ہوتے ہیں اور تحریک وجود میں آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ دعوت کے تقاضوں اور تحریک کو لے کر چلنے کے تقاضوں کو نبھانے کے معاملے میں وہ بحیثیت مجموعی دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اپنی دعوت کی میکینکس کی باریکیوں کو وہی سب سے بہتر سمجھ سکتا ہے اور اسی وجہ سے اسے یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ اپنی زندگی میں وہی اپنی تحریک کی قیادت کرتا رہے۔

جماعت اسلامی میں بھی قیادت کے معاملے میں مولانا مودودیؒ کی فکر بالکل وہی تھی جو آج میں پیش کر رہا ہوں۔ میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ داعی کا تصور پیش کیا ہے' پھر یہ کہ قیامِ جماعت سے چھ ماہ پہلے کا خط میں ریکارڈ پر لے آیا ہوں' جس میں مولانا نے خود بیعت کا تصور پیش کیا ہے۔ یہ مارچ ۱۹۴۱ء کا خط ہے جو حیدر آباد کے محمد یونس صاحب کو لکھا گیا تھا' اس خط میں مولانا نے بیعت کی تین قسمیں بیان کی ہیں' جن میں سے ایک بیعت وہ ہے جو جماعت اسلامی کے امیر کے ہاتھ پر کی جاتی ہے۔ اس خط میں انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے

کہ یہ وہ بیعت ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اب سوال یہ ہے کہ تشکیل جماعت سے صرف چھ ماہ پہلے مولانا نے جو بات کہی تھی' جماعت اس اصول پر کیوں نہیں بنائی۔ اس بارے میں میرا اندازہ یہ ہے کہ جماعت کی تشکیل کے موقع پر کچھ ایسے علماء مثلاً مولانا منظور نعمانی' مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ جمع ہو گئے تھے جن کے سامنے مولانا نے یہ بات کہنا مناسب نہیں سمجھا اور اس کے بجائے یہ کہا کہ میرا کام آپ لوگوں کو جمع کر دینا تھا' اب آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اپنا امیر منتخب کر لیں۔ لیکن میرے خیال میں مولانا کا یہ فیصلہ درست نہیں تھا' کیونکہ جس نے جمع کیا لے کر چلنا بھی اس کی ذمہ داری ہوتی ہے' اس لئے انہیں کسی تکلف کے بغیر امارت سنبھالنی چاہئے تھی' کیونکہ فطری داعی وہی تھے' اور بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ ان کی یہ حیثیت ہمیشہ برقرار رہی۔

اب رہا آپ کے سوال کا دوسرا حصہ کہ اگر ریاست جہاد کا اعلان کر دے اور کسی دینی تحریک کی قیادت اس سے اتفاق نہ کرے تو اس کے وابستگان کو کیا کرنا چاہئے۔ اس معاملے میں بات یہ ہے کہ آدمی کسی تحریک سے وابستہ ہو یا نہ ہو بہر حال حکومت کے فیصلے سے اسے اختلاف ہر صورت میں ہو سکتا ہے۔ محمد علی باکسر نے ویت نام کی لڑائی میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور پوری حکومت سے لڑائی مول لے لی۔ اس لئے انفرادی سطح پر یہ تنازعہ ہمیشہ ہو سکتا ہے۔ جماعت کی صورت میں یہ ہو گا کہ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ ہم خود کس مرحلے میں ہیں' اور مسئلے کی نوعیت کیا ہے۔ اگر ہم Passive Resistance کے مرحلے سے بڑھ کر Active Resistance میں داخل ہونے والے ہوں' تب تو اختلاف کی صورت میں ہمیں ایک ایشو ملے گا جس پر ہم دھڑلے سے میدان میں نکل کر حکومت کو چیلنج کر سکیں گے کہ اس کی بات درست نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم ابھی اس مرحلے کے قریب نہیں پہنچے تو جس طرح دوسری منکرات برداشت کی جا رہی ہیں اسے بھی برداشت کرنا ہو گا۔ جس طرح ایک وقت تھا کہ حضور ﷺ کعبے کا طواف اس

حالت میں کرتے تھے کہ اس میں بُت رکھے ہوئے تھے۔ اس وقت بُتوں کو توڑنے کا کام نہیں کیا گیا۔ لیکن فتح مکّہ کے بعد ایک ایک بُت توڑ کر کعبے کو پاک کر دیا گیا۔

س: مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ اگر ریاست پر کوئی بیرونی طاقت حملہ کرتی ہے' یا اندرونِ ملک کی کوئی طاقت حکومت کے خلاف بغاوت کر دیتی ہے اور اس کے خلاف جہاد کا اعلان ریاست کی طرف سے ہو جاتا ہے' اس صورت میں ایک ایسے فرد کے لئے جو آپ سے بیعت ہو' یہ دشواری پیدا ہوتی ہے کہ وہ ایک طرف ریاست کا شہری ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت کا پابند ہے اور دوسری طرف آپ سے معاہدہ کر کے آپ کی اطاعت قبول کر چکا ہے۔ اب اگر ریاست اور آپ کے فیصلے میں اختلاف ہو تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

ج: اس معاملے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر ریاست پر کوئی بیرونی جارحیت ہو تو اس کا مقابلہ کرنا عین جہاد ہے' اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں' وہ ہر حال میں ایک جائز جنگ ہے' اس میں جان دینا شہادت ہے۔ حدیث ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ بھی شہید ہے۔ اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ اگر ملک کے اندر سے کوئی گروہ کھڑا ہو جاتا ہے' جیسے سعودی عرب میں ہو چکا ہے' تو اُس وقت کیا کیا جائے گا۔ ایسی صورت میں فیصلہ صورتِ حال کے مطابق ہوگا' اور امیر باہمی مشاورت سے کسی نتیجے پر پہنچے گا۔ اب اگر کسی فرد کو جماعت کے فیصلے سے اختلاف ہو تو اسے یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اسے اپنی جماعت کی قیادت کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دینا چاہئے۔ اگر وہ یہ سمجھتا ہے تو اس کے لئے بیعت فسخ کرنے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر وہ معاملے کو اتنا اہم نہیں سمجھتا تو پھر اسے جماعت کی ہدایت کو قبول کر لینا چاہئے۔

یہ صورتِ حال صرف اعلانِ جہاد ہی کی شکل میں پیدا نہیں ہوتی' کسی بھی مسئلے پر اختلاف کی شکل میں فرد اسی دوراہے پر کھڑا ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یہی مسئلہ حضرت حسین ؓ کا تھا۔ ان کے نزدیک یزید کی جانشینی اتنی بڑی خرابی تھی کہ اسے چیلنج کرنا ضروری تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ اتنی بڑی خرابی نہیں تھی'

وہ اسے اس درجے کی خرابی نہیں سمجھتے تھے جسے چیلنج کرنا ضروری ہو۔

س: انبیاء کسی غیر اسلامی معاشرے سے' کسی کافرانہ معاشرے سے یا بگڑے ہوئے مسلمانوں کے معاشرے سے بھی' جہاں ان کو مبعوث کیا گیا ہو' اپنی دعوتی جدوجہد پر معاشرے سے کسی اجر کے طالب نہیں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ﴿وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یہ بات ان کی بے لوثی کی دلیل ہوتی تھی اور لوگوں کی جانب سے ان پر مفاد طلبی کا کوئی الزام لگانا ممکن نہ ہوتا تھا' لیکن ہمارے زمانے میں جو دینی جماعتیں اپنے دعوتی کام کے ساتھ ساتھ لوگوں سے کسی نہ کسی صورت میں صلے کی طالب ہوتی ہیں' ووٹ کی شکل میں' اقتدار کی شکل میں' کیا اس عمل سے لوگوں کی نظر میں ان کی بے لوثی مشتبہ نہیں ہو جاتی! اور قطعی بے غرضی کے ساتھ کام کے نتیجے میں انہیں معاشرے کا جو اعتماد حاصل ہو سکتا ہے کیا وہ اس سے محروم نہیں ہو جاتیں؟

ج: میں سمجھتا ہوں کہ انتخابی عمل میں یہ قباحت موجود ہے' دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہو سکتا ہے کہ یہ ووٹ کی بھیک مانگنے آیا ہے' تو یہ چیزیں بے لوثی کو مشتبہ تو ضرور بنا دیتی ہیں' جبکہ انقلابی عمل میں ایسی کوئی مشکل نہیں ہوتی۔

س: لیکن اگر سارے بھلے لوگ اسی بے لوثی کے مظاہرے کی خاطر انتخابی سیاست سے' جو بہر حال جاری ہے' الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جائیں تو کیا غلط کار لوگوں کو کھل کھیلنے کے لئے کھلا میدان نہیں مل جائے گا؟ آپ کی جانب سے انتخابی سیاست کی ضرورت کے اظہار کے باوجود جو لاتعلقی کی پالیسی اختیار کر رکھی گئی ہے' اگر دوسری دینی جماعتیں بھی یہی طریقہ اختیار کر لیں تو کیا نتیجہ یہی نہیں ہو گا کہ لادینی قوتیں بلا شرکت غیرے تمام اختیارات کی مالک بن جائیں گی؟

ج: غلط کار لوگوں کی معاونت ہماری جانب سے اسی صورت میں سمجھی جا سکتی ہے جب ہم انتخابی عمل پر کسی بھی صورت اثر انداز نہ ہو رہے ہوں۔ لیکن دو چیزیں ہیں جو اِس سوال کی زد سے ہمیں الگ کر دیتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم Passive لوگ نہیں

ہیں' ہم اسلام کے لئے فعال انداز میں سرگرم عمل ہیں' سیاست کے میدان میں جو اسلامی قوتیں ہیں ہم انہیں بالواسطہ تقویت پہنچا رہے ہیں اور غیر اسلامی قوتوں کے خلاف زمین ہموار کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک بات ہے خود جا کر ووٹ مانگنا' ہم نے صرف اس کی نفی کی ہے' ووٹ دینے کی نفی نہیں کی ہے' ووٹ نہ صرف ہم خود دیں گے بلکہ لوگوں سے بھی کہیں گے کہ بھائی دو شرطیں اپنے سامنے رکھو۔ ایک تو یہ کہ جسے ووٹ دو' یہ دیکھ کر اور امکانی حد تک چھان پھٹک کر دو کہ وہ اسلام کا پابند ہو' نماز پڑھتا ہو' شرابی نہ ہو' کھرے کردار کا مالک ہو۔ اور دوسرے یہ کہ کسی ایسی پارٹی سے وابستہ نہ ہو جس کے منشور میں کوئی نکتہ اسلام کے خلاف ہو۔ اس اعتبار سے آپ کا اعتراض ہم پر وارد نہیں ہوتا۔

س: آپ کے خیال میں اسلامی تحریک کے لئے آئیڈیل صورت انقلابی عمل کی ہے۔ اب اگر ساری دینی جماعتیں انتخابی طریقے کو چھوڑ کر آپ کا طریقہ اختیار کر لیں تو پھر آخر انتخابات میں وہ امیدوار کہاں سے آئیں گے جنہیں اسلامی ذہن رکھنے والا ایک ووٹر ووٹ دے سکے؟

ج: اگر ساری دینی جماعتیں ہماری دعوت سے اتنی متاثر ہو جائیں کہ اپنا طریق کار ترک کر کے ہمارا طریقہ اختیار کر لیں تب تو کام بہت ہی آسان ہو جائے گا' برسوں کی مسافت دنوں میں طے ہو جائے گی اور اسلامی انقلاب برپا ہو جائے گا' لیکن بظاہر یہ بہت بعید از امکان بات ہے۔ جو کچھ متوقع ہے وہ یہی ہے کہ دونوں طرح کی جماعتیں اپنے اپنے طور پر دین کا کام کرتی رہیں گی اور ہماری جانب سے انتخابی طریقے پر کاربند دینی جماعتوں سے بالواسطہ تعاون کا سلسلہ برقرار رہے گا۔

س: آپ نے اپنے طریق کار میں ہجرت اور جہاد کی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں۔ جہاد کی انتہائی شکل قتال ہے۔ کیا Active Resistance کے مرحلے میں اس بات کا امکان ہے کہ نوبت قتال تک جا پہنچے؟ کیا مسلمانوں کے درمیان قتال شروع کرنا یا اس کے اسباب فراہم کرنا جائز ہے؟

ج: غلبۂ دین کی اس جدوجہد میں اگرچہ قتال ہمارے پروگرام میں شامل نہیں ہے' لیکن شرعاً یہ حرامِ مطلق بھی نہیں ہے' البتہ اس کی شرائط بہت سخت ہیں۔ ہمارے پروگرام میں جو کچھ شامل ہے وہ منکرات کے خلاف پُرامن احتجاج کی مختلف شکلیں ہیں' جس کے نتیجے میں ہم پُرتشدد متوقع ہے' لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تشدد ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا جس کے بعد ان شاءاللہ حالات میں تبدیلی رونما ہوگی اور اسلامی انقلاب برپا ہو جائے گا۔

س: آپ کے خیال میں مسلم معاشرے میں بگاڑ کی وہ کون سی بنیادی صورتیں ہیں جو اسلامی انقلاب کی راہ میں حائل ہیں؟

ج: سب سے بڑی رکاوٹ ہے یقین و ایمان کا اضمحلال' اس ایمان کو زندہ کرنے کا ذریعہ قرآن ہے اور میں بیس برس سے اسی جدوجہد میں مصروف ہوں کہ لوگوں میں قرآن سے لگاؤ اور قرآنی شعور پیدا ہو۔

س: آپ کی اس جدوجہد کے نتائج کیا رہے ہیں' اور انہیں آپ کس حد تک حوصلہ افزا سمجھتے ہیں؟

ج: بہت کم حوصلہ افزا۔ ظاہری نتائج کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنا ہو تو میں کہوں گا کہ صورتِ حال مایوس کن رہی ہے اور اس کی بنا پر مجھے ہاتھ پاؤں سمیٹ کر بیٹھ جانا چاہئے' لیکن میری جدوجہد کا مقصد تو اپنی ذمہ داری ادا کرنا ہے' نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تنظیم کے بارے میں بھی مَیں یہ نہیں کہتا کہ مَیں نے کوئی تنظیم قائم کر لی ہے' صرف یہ کہتا ہوں کہ اس بات کی کوشش کر رہا ہوں۔

س: اب تک آپ کے وابستگان کی تعداد کتنی ہے؟

ج: تقریباً ڈیڑھ ہزار حضرات ہیں جنہوں نے مجھ سے بیعت کی ہے' لیکن ان میں جنہیں میں واقعتاً پوری طرح سنجیدہ سمجھتا ہوں وہ پانچ سو سے زائد نہیں۔

س: آپ کے نزدیک غیر مسلم قوتوں خصوصاً بڑی طاقتوں نے اسلامی انقلاب کی راہ روکنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی ہیں؟ گزشتہ نصف صدی سے مسلم دنیا کے مختلف خطوں میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد جاری ہے مگر کامیابی اب تک نہیں ہوئی'

اس کے اہم خارجی اسباب کیا ہیں؟

ج: میرے نزدیک اصل اہمیت خارجی اسباب کی ہے ہی نہیں۔ اصل مسئلہ داخلی ہے' اپنے ایمان اور کمٹمنٹ کی کمزوری ہے۔ یہ اضمحلال صدیوں کا ہے۔ اس کیفیت کو بدلنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس میں وقت لگے گا۔

دوسرے یہ کہ اگر آج کی دنیا میں کسی ایک ملک میں بھی اگر واقعتاً اسلامی انقلاب جڑیں جما چکا ہو تو اسے نہ روس روک سکتا ہے نہ امریکہ' بلکہ ان دونوں کے درمیان طاقت کا جو توازن ہے وہ کسی خطے میں پروان چڑھتے ہوئے اسلامی انقلاب کے لئے تحفظ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اب اندرونی رکاوٹوں میں ایمان و یقین کی کمزوری کے علاوہ دوسری چیز تفرقہ ہے۔ کسی بھی انقلابی تحریک کے لئے ضروری ہے کہ بڑے صبر و تحمل کے ساتھ علماء کی حمایت اور اعتماد حاصل کرنے کا کام کرے۔ یہ دشوار کام ہے' وقت لگے گا' لیکن ایک دَور آئے گا کہ ان میں سے اچھی خاصی تعداد اس کام کے لئے نکلے گی۔

تیسری بات یہ کہ ہمارا زوال اتنا طویل اور اتنا گہرا تھا کہ اٹھنے کا عمل بھی وقت لے گا۔ درجہ بدرجہ آگے بڑھے گا اور ہو سکتا ہے کئی نسلوں کے بعد مکمل کامیابی کی منزل آئے' جن میں سے دو یا تین نسلیں گزر چکی ہیں۔ اس احیائی عمل کا پہلا مرحلہ مغربی استعمار کی براہِ راست غلامی سے نجات کا تھا۔ پوری تیسری دنیا اِس دَور میں غلامی سے آزاد ہوئی۔ اس عمل میں اسلام کہیں بھی قوت متحرکہ نہیں تھا۔ پاکستان میں صرف اسلام کا نام لیا گیا اور کسی مسلم ملک میں نام بھی نہیں لیا گیا۔ اس کے باوجود میرے نزدیک احیائے اسلام کا یہ بھی ایک مرحلہ ہے۔

دوسرا مرحلہ دینی تحریکوں کا تھا جن میں اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ برصغیر میں اسلامی تحریک کے پہلے داعی میرے خیال میں مولانا ابوالکلام آزاد ہیں' لیکن وہ بہت جلد علماء کے رویئے سے بددل ہو کر دوسرے راستے پر نکل گئے۔ ان کے بعد مولانا مودودیؒ نے اس کام کو سنبھالا۔ انہوں نے اپنی

محنت، لگن اور جدوجہد سے بہرحال ایک عمارت کھڑی کی اور علماء کی مخالفتوں کے باوجود یہ کام کر کے دکھا دیا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد میرے خیال میں ان کی ایک غلطی کی وجہ سے ان کی تحریک کو نقصان پہنچ گیا۔ اگرچہ تحریک چل رہی ہے اور میں اپنے آپ کو اسی تحریک کا ایک جزو سمجھتا ہوں۔ بہرحال دینی تحریکوں کے اس مرحلے میں اسلامی طاقتوں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ مغرب کی مرعوبیت ختم ہوئی ہے۔ نوجوانوں میں اسلام پر اعتماد، اس سے لگاؤ اور دینی شعور پیدا ہوا ہے اور بحیثیت مجموعی پوری اُمت میں خود اعتمادی ان تحریکوں کے ذریعے پیدا ہوئی ہے۔ اسلام ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ لیکن ان تحریکوں کے ذریعے وہ اصل کام جو ایمان کی جڑوں کو مضبوط کرنے کا تھا، وہ نہیں ہو پایا ہے۔ اب اگر تیسرے مرحلے میں یہ کام ہو جائے تو یہ سب چیزیں مل کر ان شاء اللہ ایک بہت بڑا نتیجہ پیدا کریں گی۔

س: ٹیلی ویژن پر آپ کے پروگرام ''الہدیٰ'' سے ایک ایسا طبقہ مستفید ہو رہا تھا جس تک عام طور پر قرآن کا پیغام نہیں پہنچ پاتا ہے۔ یہ سلسلہ کیوں اور کس طرح بند ہوا اور اس کی ذمہ داری خود آپ پر کس حد تک عائد ہوتی ہے؟

ج: مجھے آن دی ریکارڈ اب تک یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ اس بندش کا سبب کیا ہے۔ کس وجہ سے یہ پروگرام بند کیا گیا، کس نے بند کیا، کس سطح پر یہ فیصلہ ہوا، یہ میرے علم میں نہیں ہے۔ اس لئے مَیں اس سوال کا کوئی واضح جواب آپ کو نہیں دے سکتا۔ البتہ یہ احساس مجھے ضرور ہے کہ اس ذریعے سے قرآن سے جو دلچسپی اور لگاؤ عام ہو رہا تھا، کوئی اور اتنا مؤثر ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے جس سے یہ کام لیا جا سکے۔ جہاں تک یہ تاثر ہے کہ اس کی بندش میں میرا بھی حصہ ہے تو ایسی کوئی بات نہیں۔ میری طرف سے تو پیشکش تھی کہ میں اس پروگرام کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لینا چاہتا، لیکن انہوں نے کہا کہ یہ ہماری قانونی ضرورت ہے، اس کے بغیر پروگرام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس کے بعد میں نے ضیاء صاحب کو خط بھی لکھا تھا کہ میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لینا چاہتا۔ اگر آپ اس کا وقت نہیں بڑھا سکتے تو ہفتے میں دو مرتبہ کر دیجئے۔ بہرحال اس کے بند

ہونے سے جو نقصان ہوا اسے میں محسوس کرتا ہوں اور جس کی وجہ سے بھی بند ہوا' اللہ کے ہاں اس سلسلے میں اس پر بھاری ذمہ داری عائد ہوگی' اور اسے اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔

س: عام تاثر ہے کہ خواتین آپ سے بہت برہم ہیں' اس کا سبب کیا ہے؟

ج: میرے نزدیک یہ بہت بڑا مغالطہ ہے' میری ہم خیال خواتین کی تعداد مجھ سے اختلاف رکھنے والی بیگمات سے کہیں زیادہ ہے' لیکن چونکہ ذرائع ابلاغ انہیں پروجیکٹ کرتے ہیں' ان کی خبریں حاشیوں اور سرخی پوڈر کے ساتھ شائع ہوتی ہیں اس لئے تاثر یہی بنتا ہے کہ خواتین میں میری مخالفت بہت زیادہ ہے۔

نوٹ: ڈاکٹر صاحب جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے کبھی رکن نہیں رہے۔ اس معاملہ میں تسامح ہوا ہے۔ البتہ ۱۹۵۵ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر دستور جماعت اسلامی کی تدوینِ نو کے لئے جو مجلسِ دستور ساز منتخب ہوئی تھی اس کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ (ادارہ میثاق)

مرکزی انجمن خدام القرآن کے **شعبہ سمع و بصر** کی تیار کردہ

دینی موضوعات کی ویڈیو سی ڈیز (VCD's)

☆ختم نبوتؐ اور تکمیل رسالتؐ	2 ویڈیو سی ڈیز
☆عظمت مصطفیٰ ﷺ	2 ویڈیو سی ڈیز
☆شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی قدم	ایک ویڈیو سی ڈی
☆متاع الغرور (دنیا.....دھوکے کا سامان)	ایک ویڈیو سی ڈی
☆ قائداعظم اور علامہ اقبال کا نظریہ پاکستان	2 ویڈیو سی ڈیز
☆منتخب نصاب (جاری)	51 ویڈیو سی ڈیز
☆بیان القرآن (قرآن پاک کا مکمل ترجمہ و مختصر تشریح)	108 ویڈیو سی ڈیز

قیمت فی VCD: 40 روپے

ملنے کا پتہ: قرآن اکیڈمی 36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

مولانا مودودی مرحوم اور مسئلۂ بیعت

کے ضمن میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی رائے پر ادارۂ ''تکبیر'' کراچی کا محاکمہ اور ڈاکٹر صاحب کی وضاحت*

ا) ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی بابت ۲۱ تا ۲۷ فروری ۱۹۸۶ء کا ادارتی نوٹ

طریقۂ بیعت' ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا مودودیؒ

بانیٔ جماعت اسلامی کا اصل موقف ان کے مکاتیب کی روشنی میں

تکبیر کے گزشتہ شمارے میں تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک طویل انٹرویو شائع ہوا تھا' جس میں ڈاکٹر صاحب نے بیعت سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ مولانا مودودیؒ بھی نظامِ بیعت کے حامی تھے اور اس معاملہ میں ان کی فکر بالکل وہی تھی جو آج میں پیش کر رہا ہوں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے تشکیل جماعت سے چھ ماہ قبل مولانا کی جانب سے حیدر آباد دکن کے محمد یونس صاحب کے نام مارچ ۱۹۴۱ء میں لکھے جانے والے ایک خط کا حوالہ دیا تھا۔ اس خط کے مکمل متن کا جائزہ لیا گیا تو ریکارڈ پر تشکیل جماعت سے ٹھیک دس ماہ بعد ۲۸ر جون ۱۹۴۲ء کو انہی محمد یونس صاحب کے نام مسئلہ بیعت ہی پر مولانا محترم کا ایک دوسرا خط بھی موجود پایا گیا جس میں انہوں نے اپنا نقطۂ نظر بڑی وضاحت اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب شخصی بیعت کے داعی ہیں جبکہ مولانا مودودیؒ کا موقف یہ ہے کہ ''بیعت کسی شخص کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ اسلام کی طرف منسوب ہو' تاکہ شخص خاص سے وابستگی آگے چل کر شخصیت پرستی تک نہ پہنچ جائے''۔

* شائع شدہ میثاق اپریل ۱۹۸۶ء

ان کے نزدیک ''اطاعت نظام کی ہونی چاہئے نہ کہ کسی شخص خاص کی''۔

ہم قارئین کی رہنمائی اور دلچسپی کے لئے مولانا مودودیؒ کے ان دونوں خطوط کا متن شائع کر رہے ہیں تا کہ وہ بیعت کے مسئلہ پر مولانا مودودیؒ کے نقطۂ نظر سے پوری طرح باخبر ہو سکیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور مولانا مودودیؒ کے موقف کا فرق اُن پر واضح ہو جائے اور اس سلسلہ میں کسی غلط فہمی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

۲) مولانا مودودی مرحوم کے خطوط (غیر متعلق حصے حذف کر دیئے گئے ہیں)

لاہور

مارچ ۱۹۴۱ء

محترمی و مکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اصطلاح میں بیعت سے مراد اطاعت اور پیروی کا اقرار ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

۱) وہ بیعت جو کسی خاص موقع پر کسی خاص معاملہ کے لئے ہوئی ہو، جیسے بیعت رضوان تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ سن کر حضور ﷺ نے اہل مکّہ سے جنگ کا ارادہ فرمایا اور اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ پیش آیدہ مہم میں آپ کے ساتھ جان فروشی کریں گے۔

۲) دوسری وہ بیعت جو تزکیۂ نفس اور اصلاحِ اخلاق و روحانیت کی نیت سے ایک مرشد و معلم اس شخص سے لیتا ہے جو اُس کے پاس تربیت حاصل کرنے کے لئے آئے۔ یہ وہ بیعت تھی جو بالعموم اس شخص کو کرنی پڑتی تھی جو نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لاتا تھا۔ آپؐ اس سے اقرار کراتے تھے کہ شرک، زنا، چوری وغیرہ سے پرہیز کرے گا اور جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پہنچائیں گے ان کی اطاعت کرے گا۔ اس بیعت کے لینے کا حق یا تو نبی کو پہنچتا ہے یا اس شخص کو جو نبی کے طریقہ پر ہو، یعنی طریقۂ

نبویؐ کا صحیح علم بھی رکھتا ہو' اس پر خود بھی عامل ہو اور بیعت لینے سے اصلاح وارشاد کے سوا قطعاً کوئی دوسری نیت نہ رکھتا ہو۔

۳) تیسری بیعت وہ ہے جو اسلامی جماعت کے امیر یا امام کے ہاتھ پر کی جاتی ہے۔ اس کی نوعیت یہ ہے کہ جب تک امیر یا امام اللہ اور اس کے رسولؐ کا مطیع ہے' اس وقت تک جماعت کے تمام ارکان پر اُس کی اطاعت فرض ہے۔ ''من مات ولیس فی عنقه بیعة'' اور دوسری تمام احادیث میں جس بیعت کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے ان سے مراد تیسری بیعت ہے' کیونکہ اس پر اسلامی جماعت کی زندگی اور اس کے نظام کا قیام منحصر ہے۔ اس سے الگ ہونے یا الگ رہنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ جس کام کے لئے تشریف لائے تھے اور جس امرِ عظیم کا بار آپؐ اُمت پر چھوڑ گئے ہیں اس کو نقصان پہنچایا جائے یا ختم کر دیا جائے۔

صوفیائے کرام میں جو بیعت رائج رہی ہے وہ دوسری قسم کی ہے اور وہ کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دین کا علم حاصل کرے اور احکام کو سمجھ کر ان کی پیروی کرنے کی کوشش کرے' بغیر اس کے کہ کسی روحانی مربی کی بیعت اس کی گردن میں ہو' تو وہ نہ کوئی گناہ کرتا ہے اور نہ آخرت میں اس سے کوئی باز پُرس اس امر کی ہوگی کہ اس نے کسی پیر کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑا۔ البتہ اگر کوئی دیندار' متبع شریعت' صاحب اخلاقِ فاضلہ شخص اس کو مل جائے جس کی زندگی کو دیکھ کر اسے یقین ہو جائے کہ فی الواقع وہ جانشین پیغمبرؐ ہونے کا شرف رکھتا ہے تو اس کے ہاتھ پر بیعت کر لینا فائدہ سے خالی نہیں ہے' بشرطیکہ بیعت کرنے والا خود بھی دین کا علم رکھتا ہو اور اپنے شیخ کا اندھا مقلد نہ ہو اور شیخ سے بشری کمزوری کی بناء پر اگر شریعت کے خلاف کچھ باتیں سرزد ہو جائیں تو مرید عقیدت مندی میں ان غلط باتوں میں بھی شیخ کی پیروی کرتا نہ چلا جائے۔ رہی موجودہ زمانہ کی پیری مریدی جس میں اصلاح وارشاد کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا' بلکہ بزرگوں کی گدیوں پر بیٹھ کر اُن کے نالائق' بے علم' بداعمال جانشین اللہ کے بندوں کو اپنا بندہ بناتے ہیں اور لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈالتے ہیں کہ بس ہمارا ہاتھ

پکڑ لینے کے بعد تمہارے لئے جنت واجب ہو جائے گی اور مریدوں سے اس طرح نذرانے وصول کرتے ہیں کہ گویا کہ وہ زمیندار ہیں اور اپنی اسامیوں سے لگان وصول کر رہے ہیں' تو ایسی پیری مریدی کا واجب ہونا تو درکنار یہ جائز بھی نہیں ہے۔ یہ تو ایک مصیبت ہے' بلکہ میرے نزدیک اس کا شمار کبائر میں ہے۔ میں ان پیروں کو بدترین مجرم اور ان کے مریدوں کو سخت گناہگار سمجھتا ہوں۔ اگر میرے ہاتھ میں طاقت ہوتی تو میں بجبر اس گمراہی کو روک دیتا۔

اعتقاد اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں' لیکن دونوں ایک دوسرے کے ساتھ غیر منفک تعلق رکھتی ہیں۔ اعتقاد نام ہے اس رائے یا خیال کا جس پر آدمی پختگی کے ساتھ قائم ہو اور اس رائے یا خیال کے مطابق کام کرنے کا نام عمل ہے۔ ان دونوں کو ایک نہیں کہا جا سکتا' لیکن یہ دونوں مل کر ایک زندگی بناتے ہیں اور صحیح اعتقاد اور عمل میں مطابقت کا نام ہی اسلامی زندگی ہے۔

خاکسار ابوالاعلیٰ

لاہور

۲۸ر جون ۱۹۴۲ء

محترمی و مکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ملا۔ الحمدللہ کہ آپ کی غلط فہمی کسی حد تک رفع ہو گئی۔ اصل یہ ہے کہ ایک چیز تو طریقۂ بیعت وارشاد کی روح ہے اور دوسری چیز وہ خالص ہیئت وشکل ہے جس میں یہ طریقہ صدیوں سے متوارث چلا آ رہا ہے۔ جہاں تک اس کی اصل روح کا تعلق ہے وہ بالکل برحق' صحیح اور پاک ہے' مگر جہاں تک اس کی ہیئت وشکل کا تعلق ہے وہ گمراہ کرنے والے پیروں اور جاہل مریدوں کے غلط طرزِ عمل کی وجہ سے اس قدر انحطاط کی شکار ہو گئی ہے اور اس کے ساتھ کچھ دوسرے خراب لوازم اس قدر خلط ملط ہو

گئے ہیں کہ اصل روح نہ صرف یہ کہ اس کے اندر باقی نہیں رہی بلکہ جہاں نیک نیت لوگ اس ہیئت و شکل میں کوئی صحیح خدمت بھی کرتے ہیں تو وہاں بھی بہت جلد ہی اس کے خراب لوازم عود کر آتے ہیں۔ اس بنا پر میری یہ رائے ہے کہ پیری مریدی کی وہ خاص شکل بدل دی جائے اور اس کے بجائے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں سلسلۂ بیعت وارشاد کی اصل روح تو موجود ہو مگر وہ خراب لوازم اور ابتلا فات نہ ہوں۔ میں نے بہت غور وخوض کے بعد جو صورت تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ اوّلاً ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہ لی جائے' بلکہ صرف زبانی عہد لیا جائے جس طرح نبی اکرم ﷺ عورتوں سے لیا کرتے تھے۔ ثانیاً سلسلہ کسی شخص کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ ''اسلام'' کی طرف منسوب ہو' تاکہ شخصِ خاص کی وابستگی آگے چل کر شخصیت پرستی تک نہ پہنچ سکے۔ ثالثاً تزکیۂ نفس اور اجرائے احکام اور اقامت نظم وانضباط وغیرہ کا کام جس شخص کے ہاتھ میں ہو وہ اس کی ذاتی حیثیت میں نہ ہو بلکہ جماعت کا سردار ہونے کی حیثیت میں ہو' حتیٰ کہ جب ایک شخص سردار نہ رہے اور دوسرا شخص اس کی جگہ آئے تو لوگوں کی اطاعت ووابستگی بھی پہلے شخص سے ہٹ کر دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جائے' نہ یہ کہ لوگ اسی شخصِ خاص کے گرویدہ رہیں جس کے امر پر ابتداء میں انہوں نے عہد کیا تھا۔ یہ دونوں باتیں خلفائے راشدین کے دَور کی تنظیم سے مَیں نے اخذ کی ہیں۔ ان کے مبارک دَور میں اسلامی جماعت اسلام کی طرف منسوب تھی نہ کہ صدیق یا فاروق یا عثمان یا علی رضی اللہ عنہم کی طرف۔ اسی طرح لوگوں کی وابستگی شخص صدیق یا شخص فاروق رضی اللہ عنہما سے نہ تھی بلکہ امیر المؤمنین سے تھی جو بھی وقت کا امیر ہو' اور اطاعت نظام کی تھی نہ کہ شخص خاص کی۔

آپ نے ''جماعت اسلامی'' میں اپنے آپ کو تیسرے درجہ کی ممبری کے لئے پیش کیا ہے۔ اللہ آپ کو درجہ دوم بلکہ درجہ اوّل تک ترقی کرنے کی توفیق بخشے.....

خاکسار ابوالاعلیٰ مودودی

۳) امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی وضاحت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترمی مدیر ''تکبیر'' —— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''تکبیر'' کی اشاعت بابت ۲۱ تا ۲۷ فروری ۸۶ء میں ''بیعت'' سے متعلق میرے انٹرویو میں وارد شدہ ایک رائے کا محاکمہ مولانا مودودی مرحوم کے دو خطوط کے حوالے سے کیا گیا ہے —— اس ضمن میں یہ چند سطور پیش خدمت ہیں جن کی حیثیت ایک جانب ''ذاتی وضاحت'' کی ہے اور دوسری جانب ایک واقعاتی تحقیق کی۔ امید ہے آپ ان کی اشاعت کے لئے گنجائش نکال لیں گے۔

میرا تنظیم اسلامی کے لئے ''بیعت'' کے نظام کو اختیار کرنا ہرگز اس دلیل پر مبنی نہیں ہے کہ مولانا مودودی مرحوم اس کے قائل تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میرے علم میں مولانا کا موقف تو اتفاقاً آج سے صرف تین چار سال قبل حیدر آباد دکن کے مولانا محمد یونس مرحوم کے نام مولانا مرحوم کے کتابی شکل میں شائع شدہ خطوط کے ذریعے آیا۔ جبکہ میرا یہ ذہن کہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کا تنظیمی ڈھانچہ ''بیعت جہاد'' اور ''بیعت سمع وطاعت فی المعروف'' کی اساس پر قائم ہونا چاہئے' جماعت سے علیحدہ ہونے کے دو سال بعد ہی اوائل ۱۹۵۶ء میں بن چکا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ میری ذاتی رائے تھی جسے میں اپنے بزرگوں پر کسی طرح مسلط نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا جب ۱۹۶۷ء میں رحیم یار خان میں جماعت سے علیحدہ ہونے والے بعض حضرات کا اجتماع ہوا اور اس میں ایک نئی تنظیم کے قیام کا فیصلہ ہو گیا اور اس کے لئے تنظیمی ڈھانچہ طے کرنے کے لئے سات افراد پر مشتمل ایک مجلس مقرر کر دی گئی تو اگرچہ میں بھی ان سات میں کا ''ساتواں'' تھا لیکن مجھے ہرگز یہ امکان نظر نہ آتا تھا کہ اس تنظیم کی اساس بیعت پر ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ ان سات افراد میں سے ہر اعتبار سے اوّلین اور اہم ترین شخصیت مولانا امین احسن اصلاحی کی تھی جن کے مزاج سے میں بخوبی واقف تھا' تاہم میں چونکہ دوسرے مروّجہ طریق ہائے تنظیم کو بھی حرام نہیں بلکہ مباحات میں سے

سمجھتا ہوں لہٰذا میں ذہناً اس کے لئے بالکل تیار تھا کہ نظام خواہ کوئی بھی ہو اگر اقامت دین کے لئے طریق کار درست ہو تو لازماً شریک رہوں گا —— یہ دوسری بات ہے کہ یہ بیل منڈھے تو کیا چڑھتی سرے سے اپج ہی نہ سکی' —— اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں مَیں نے تنظیم اسلامی کے قیام کا فیصلہ کیا تو اس کے لئے قرارداد تأسیس بھی وہی رکھی جس پر ۱۹۶۷ء میں اتفاق ہوا تھا اور نظامِ جماعت کے معاملے کو بھی کھلا (open) رکھا کہ تین سال تک میری حیثیت صرف داعی (convener) کی ہوگی —— اور اس عرصے کے دوران جو حضرات قراردادِ تأسیس پر اتفاق کرتے ہوئے جمع ہو جائیں گے وہ باہمی مشورے سے مستقل نظام طے کریں گے! —— لیکن جب اڑھائی سال انتظار کے بعد بھی بزرگوں میں سے کسی نے پیش قدمی نہیں فرمائی تو بالآخر میں نے جولائی ۱۹۷۷ء میں ساتھیوں کے سامنے اپنا ذہن کھول کر رکھا۔ نتیجتاً ''بیعت'' ہی کو تنظیم کی مستقل اساس کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔

اس کے بعد جب ۸۳-۱۹۸۲ء میں ''خطوط کے چراغ'' نامی کتاب حیدر آباد دکن سے آئی اور اس سے معلوم ہوا کہ مارچ ۱۹۴۱ء کے خط میں مولانا مودودی مرحوم نے بالکل وہی بات فرمائی تھی جس کا میں قائل ہوں تو اس پر فطری طور پر مجھے خوشی بھی ہوئی کہ ع ''متفق گر دید رائے بوعلی با رائے من!'' اور اپنی بات پر مزید اطمینان بھی ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میرا موقف مولانا مرحوم کی رائے کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے مطالعہ کے مطابق قرآنِ حکیم اور سنت و سیرتِ رسولؐ کی محکم اساسات اور اُمت کے طویل تعامل پر قائم ہے!

البتہ جہاں تک علمی اعتبار سے مولانا مودودی مرحوم کے موقف کی تحقیق کا سوال ہے تو جو خطوط آپ نے شائع کئے ہیں ان میں حسب ذیل امور پر معروضی طور پر توجہ کی ضرورت ہے:

(۱) مولانا مرحوم کا مارچ ۱۹۴۱ء والا خط نہایت واضح ہے' —— اس میں انہوں نے بیعت کی بظاہر تین لیکن حقیقتاً چار اقسام بیان کی ہیں: (۱) خاص مواقع پر خاص

کاموں کے لئے کی جانے والی بیعت (۲) بیعتِ ارشاد وسلوک اور (۳) بیعتِ نظم و جماعت۔ اس آخری بیعت کے ضمن میں دوبار مولانا نے ''امیر یا امام'' کے الفاظ التزاماً استعمال کئے ہیں جن سے (جیسا کہ بعض دیگر شواہد سے ثابت ہوگا جن کا ذکر بعد میں آئے گا) اس کی دو قسمیں بنتی ہیں' یعنی ایک یہ کہ اگر صحیح اسلامی حکومت قائم ہو تو اس کے سربراہ سے بیعت اور دوسری اس صورت میں کہ صحیح اسلامی حکومت قائم نہ ہو تو اس کے لئے جدوجہد کرنے والی جماعت کے امیر سے بیعت!

(۲) اس کے بعد مولانا نے دوسری قسم کی بیعت یعنی بیعتِ ارشاد وسلوک کے بارے میں یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ وہ کوئی ضروری چیز نہیں ہے —— اور پھر اس میں دورِ حاضر میں جو خرابیاں در آئی ہیں ان پر شدید تنقید بھی کی ہے —— مجھے اس وقت اس سے قطعاً کوئی بحث نہیں ہے کہ مولانا کی یہ آراء کس حد تک صحیح ہیں اور کس حد تک غلط —— یا کس حد تک واقعیت پسندی پر مبنی ہیں اور کس حد تک انتہا پسندی کی مظہر! —— اس لئے کہ میری ساری گفتگو مولانا کی بیان کردہ تیسری قسم کی بیعت سے ہے' جسے میں نے مزید دو اقسام میں منقسم قرار دیا ہے۔

(۳) اب آیئے مولانا مرحوم کے ۲۸ر جون ۱۹۴۲ء کے خط کی جانب تو اس میں اوّلاً مولانا نے پیری مریدی والی بیعت پر دوبارہ اسی انداز کی بھرپور تنقید کی ہے —— اور ثانیاً اس میں بعض اصلاحات تجویز کی ہیں لیکن ان کے ضمن میں جو مثالیں دی ہیں وہ کل کی کل خلافتِ راشدہ سے متعلق ہیں۔ گویا حکومت والی بیعت کا ذکر تو موجود ہے لیکن جماعت والی بیعت کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا —— ثالثاً —— خلفائے راشدین کی بیعت کے ضمن میں بھی اس حقیقت اور واقعے سے صرفِ نظر کرنا مناسب سمجھا ہے کہ وہاں ہر بار نئے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت ہوتی تھی اور سابق خلیفہ کی بیعت از خود نئے خلیفہ کو منتقل نہیں ہو جاتی تھی۔ رابعاً —— اِس ضمن میں ہاتھ میں ہاتھ نہ لینے کے سلسلے میں خواتین کی بیعت کا ذکر کیا ہے لیکن مصافحہ کی حد تک جائے بغیر دونوں طرف سے ہاتھ بڑھانے —— یا ایک برتن میں پانی ڈال کر اُس میں ایک جانب

آنحضور ﷺ کا اپنے دستِ مبارک کو ڈالنا اور دوسری جانب بیعت کرنے والی خاتون یا خواتین کے ہاتھ ڈالنے کا تذکرہ تک نہیں کیا—— (حالانکہ تفہیم القرآن جلد پنجم میں سورۂ ممتحنہ کے ذیل میں یہ ساری باتیں بیان ہوئی ہیں!)

(۴) ان دونوں خطوط کے مابین جو فرق و تفاوت ہے اس کی حقیقت تک رسائی کے لئے اس واقعہ کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس عرصے کے دوران جماعت اسلامی بالفعل قائم ہو چکی تھی اور مولانا مودودی اس کے امیر قرار پا چکے تھے—— لیکن اس کی روداد یا دستور میں ''بیعت'' کی کسی قسم کا ذکر—— یا اس کی کسی اصلاح یافتہ شکل کا حوالہ تو درکنار سرے سے ''بیعت'' کا لفظ ہی کہیں استعمال نہیں ہوا—— سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟—— راقم کا موقف یہ ہے کہ ایسا اس لئے ہوا کہ کسی سبب سے مولانا قیامِ جماعت کے وقت نظم جماعت کے ضمن میں اپنے اصل ذہن اور فکر کو بروئے کار نہیں لا سکے!—— چنانچہ ان کی یہی ذہنی الجھن اس خلط مبحث کا سبب بنی ہے جو جون ۴۲ء والے خط میں نظر آ رہا ہے!

(۵) رہا یہ سوال کہ وہ سبب کیا تھا جس کے باعث مولانا مرحوم اپنے اصل ذہن و فکر کو بروئے کار نہیں لا سکے تو اس کا جواب اس حقیقت کے حوالے سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ مولانا ہمیشہ اس کے قائل رہے کہ جماعت اسلامی کے امیر کو ویٹو کا اختیار حاصل ہونا چاہئے۔ چنانچہ ۴۶ء کے اجتماع الٰہ آباد کے موقع پر اس مسئلے پر شدید بحث ہوئی اور اس مسئلے پر مولانا امین احسن اصلاحی کی مخالفت کے باعث اس درجہ تلخی پیدا ہو گئی کہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ یہ اکٹھ قائم نہیں رہے گا اور جماعت ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ بعض حضرات پر (بشمول مولانا مسعود عالم ندویؒ) گریہ بھی طاری ہو گیا تھا—— بہرحال اُس وقت مولانا نے مصلحت اس میں سمجھی کہ جماعت کے ٹوٹنے کے خطرے کو مول نہ لیا جائے اور کوئی صورت مصالحت کی نکال لی جائے۔ اس لئے کہ مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا علی میاں سمیت بہت سے علماء تو جماعت سے پہلے ہی علیحدہ ہو چکے تھے' اب مولانا اصلاحی اور بعض دوسرے علماء کی علیحدگی سے جماعت کی دینی حیثیت کو شدید

نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا —— چنانچہ ایک نہایت پیچ در پیچ فارمولا وضع کیا گیا' جس کی حیثیت خالص نظری رہی۔ اس طرح وہ بحران تو ٹل گیا لیکن چونکہ اس طرح انسان کا ذہن اور مزاج تو نہیں بدل سکتا لہٰذا مولانا کا طرزِ عمل مسلسل یہ رہا کہ وہ جب بھی کوئی نیا قدم اٹھانا چاہتے تھے اپنی صوابدید کے مطابق اس کا آغاز کسی جلسۂ عام سے کر دیتے تھے اور بعد میں مجلس شوریٰ اس مخمصے میں گرفتار ہو کر رہ جاتی تھی کہ اب امیر جماعت کے اقدام سے براءت کیسے کرے! —— تا آنکہ ۵۷۔۵۶ء کا بحران آیا اور اس موقع پر مولانا نے ماچھی گوٹھ میں منعقدہ اجتماع ارکان میں فرمایا کہ میری راہ کی بعض مشکلات ایسی ہیں جن کی بنا پر میں امارت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر انہیں دُور کر دیا جائے تو البتہ میں یہ ذمہ داری سنبھال سکتا ہوں۔ اور وہ وجوہات ایسی ہیں کہ میں انہیں تمام ارکان کے سامنے نہیں رکھنا چاہتا' لہٰذا ہر حلقے سے دو دو افراد کا انتخاب عمل میں لایا جائے تاکہ میں ان کے سامنے اپنی مشکل بیان کر سکوں —— اس اجتماعِ نمائندگان کے سامنے مولانا نے اس دستوری پیچیدگی کو بیان کیا اور دستورِ جماعت میں ترامیم کرالیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی ان منتخب حضرات میں شامل نہیں تھے البتہ مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہو گئے تھے۔ چنانچہ ان کے سامنے یہ معاملہ پہلی بار کوٹ شیر سنگھ میں منعقدہ اجتماع مجلس شوریٰ میں آیا۔ چنانچہ وہ اسی وقت اٹھ کر روانہ ہو گئے اور لاہور پہنچ کر انہوں نے جماعت کی رکنیت سے استعفاء دے دیا —— اور بعد میں جو تلخ خط و کتابت مولانا مرحوم اور مولانا اصلاحی کے مابین ہوئی اس میں انہوں نے یہ الفاظ بھی لکھے کہ میں تو سمجھتا تھا کہ میں بلی کو مار چکا ہوں' مجھے کیا معلوم تھا کہ اسے آپ نے تھیلے میں چھپا لیا تھا —— اور اب اپنے ''خلوتیانِ راز'' کے سامنے اسے تھیلے سے نکال باہر کیا ہے! —— کوٹ شیر سنگھ کے اجتماع میں مولانا مودودی مرحوم نے جو تقریر کی تھی اس کا لب لباب یہ تھا کہ جمہوریت یا شورائیت کے تقاضے حکومت اور ریاست کی سطح پر کچھ اور ہوتے ہیں اور تحریک اور جماعت کی سطح پر کچھ اور! مولانا کے ۱۹۵۷ء کے ان الفاظ کا تعلق مارچ ۱۹۴۱ء کے خط میں مستعمل الفاظ ''امیر یا امام'' سے جڑتا ہے —— اور یہ بات بالکل

واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا کا ذہن اصلاً یہ تھا کہ جماعت اسلامی کے امیر کے پاس ویٹو کا حق ہونا چاہئے ——— اور اس کے ساتھیوں کو اس سے 'سمع وطاعت فی المعروف' کے تعلق میں منسلک ہونا چاہئے ——— اور مشورہ ومشاورت کو اصلاً ساتھیوں کا 'حق' نہیں بلکہ امیر کی ضرورت اور ساتھیوں کا 'فرض' قرار دینا چاہئے ——— البتہ معروف کے دائرے کے اندر اندر کسی بھی مشورے کو قبول یا ردّ کر دینے کا اختیار 'امیر' کے پاس ہونا چاہئے ———

میں اس موقف کو نہ صرف کتاب وسنت کے نصوص اور اُمت کے مسلسل تعامل بلکہ اقامت دین کی انقلابی جدوجہد کے تنظیمی تقاضوں کی مصلحتوں کے اعتبار سے بھی صدفی صد درست سمجھتا ہوں ——— اور اس کا اعلان بھی میں نے تحریری صورت میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تاسیس کے موقع پر جولائی ۱۹۷۲ء میں کر دیا تھا ——— دس سال بعد ۸۲ء میں جب مولانا کا مارچ ۴۱ء والا خط پڑھنے میں آیا تو اس سے راقم کو یقین ہو گیا کہ مولانا مرحوم کا ذہن بھی یہی تھا جسے وہ اپنے بعض با اثر ساتھیوں کی مخالفت کی بنا پر پورے طور پر بروئے کار نہ لا سکے۔ بہر حال کسی کو اس اندازِ فکر سے اتفاق ہو یا اختلاف ——— ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ حقائق وواقعات کو اُن کے اصل تناظر میں رکھ کر ان کا حتی الامکان معروضی مطالعہ کریں ——— اور کسی کو بھلا لگے یا برا' جو حقائق بھی سامنے آئیں ان کے علی الاعلان اظہار سے دریغ نہ کریں۔

فقط والسلام'

لاہور: ۲/مارچ ۸۶ء

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

(نوٹ ہفت روزہ ''تکبیر'' کے ادارتی نوٹ کے ضمن میں یہ وضاحتی تحریر ادارہ تکبیر کو ارسال کی گئی تھی' جسے قطع وبرید کے ساتھ جزوی طور پر شائع کیا گیا۔)

اسلام کے نظامِ تربیت میں عبادتِ ربّ کا مقام

سید محمد قطب شہید

اسلامی نظام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ نظامِ عبادت ہے۔ مگر اسلام میں عبادت کے معنی محض چند مذہبی رسوم کی ادائیگی کے نہیں ہیں' بلکہ اسلام میں عبادت کے معنی بڑے وسیع اور جامع ہیں۔ اسلام میں دراصل تعلق باللہ کا نام عبادت ہے اور اسی تعلق باللہ پر اسلام کا نظام تربیت استوار ہے۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج اور تمام اعمالِ عبادت دراصل راستے میں ٹھہرنے اور ازسرنو تیار ہو کر سفر جاری رکھنے کے ''مقامات'' ہیں' جب کہ فی الحقیقت سارا کا سارا سفر ہی عبادت ہے اور دورانِ سفر واقع ہونے والے اعمال' راہ میں پیش آنے والی قربانیاں اور اس راہ کا تمام فکر اور شعور عبادت ہے' بشرطیکہ اس سفر کا مقصد وصول الی اللہ (اللہ تک پہنچنا) ہو اور سالکِ راہِ حق نہ صرف یہ کہ زبان سے اللہ سبحانہٗ کی وحدانیت اور اس کے معبودِ برحق ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے خدا کے فرستادہ ہونے کا اقرار کرتا ہو بلکہ اس نے اپنی تمام زندگی اسی اساس پر استوار کر لی ہو۔ اس لحاظ سے اسلام میں عبادت کا مفہوم انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے' اور یہی مفہوم اس آیت کریمہ کا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:۵۶)

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اسلام کی نظر میں عبادت ان چند لمحات کا نام نہیں ہے جو نفس کے اوراق پر جھلملا

کر یا صفحہ کائنات پر ایک جھلک دکھا کر غائب ہو جائیں اور دنیائے واقع اور عملی زندگی میں اس کے اثرات مرتب نہ ہوں۔ بلکہ اسلام کی نظر میں عبادت تمام زندگی کا منہاج ہے اور اس عبادت کی اس وقت قیمت اور اہمیت ہے جب یہ فکر و عمل اور شعور پر چھا جائے اور ایک واضح منہاج پر استوار ہو جس سے انسان کو اپنے افعال کے موزوں اور ناموزوں ہونے کا امتیاز ہو سکے۔ ان تمام امور کا مرجع ذاتِ الٰہی ہے اور اللہ کا بتایا ہوا دستور ہی دستورِ حیات ہے جو قلب کی گہرائیوں اور فکر و شعور کی وسعتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور تعلق باللہ ہی وہ واحد اساس ہے جو انسان کو اللہ کی جانب متوجہ رکھتی ہے اور جو اسلام کے نظامِ تربیت کی بنیاد ہے۔ یہاں پر ہم اسلام کے نظامِ تربیت کی چند ایسی خصوصیات بیان کر رہے ہیں جو اسلام کو دوسرے نظاموں پر فوقیت اور امتیاز عطا کرتی ہیں۔

دنیا کے بعض نظامِ تربیت انسان کا تعلق ایک قطعۂ زمین سے قائم کرتے ہیں' بعض کسی شخصیت سے اور بعض کسی دیومالائی کہانی سے ربط قائم کرتے ہیں۔ اور بعد ازاں سارا نظام تربیت انہی قواعد پر تعمیر ہوتا ہے اور انسانی عمل اور فکر و شعور سب اسی رنگ میں رنگے جاتے ہیں' اور ان قواعد کی بنیاد پر انسان میں چند ''خوبیاں'' پیدا ہو جاتی ہیں جو ایک محدود اور مخصوص دائرے میں مفید اور مؤثر ہوتی ہیں' اور ان میں ایک گونہ سچائی بھی ہوتی ہے' مگر چونکہ یہ مقامی ہوتی ہیں اس لئے انسانیت کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔

مثلاً مغرب کے وضع کردہ نظام ہائے تربیت میں زیادہ اہم انگلستان کا تربیتی نظام متصور ہوتا ہے کہ اس نظام کے تحت وہاں کے باشندوں میں کئی ایک نادر اور بے مثال خوبیاں پیدا ہو گئی ہیں' جیسے وہ چوری نہیں کرتے' لوٹ مار نہیں کرتے' جھوٹ نہیں بولتے اور دھوکہ نہیں دیتے۔ نیز ان میں باہمی تعاون ہے' مفادِ عام کا شعور موجود ہے اور وہ پبلک کے مفاد کی خاطر اپنی ذات کے مفاد کو قربان کر دیتے ہیں۔ مگر انگریزوں کی یہ ساری خوبیاں' ان کے یہ بہترین اخلاق اور ان کے یہ قومی محاسن برطانوی قومیت کے تنگ دائرے میں محدود ہیں اور جوں ہی وہ انگلستان کی سرزمین سے باہر نکلتے ہیں وہ بالکل بدلے ہوئے انسان بن جاتے ہیں' کیونکہ وطن پرستی کے جس بُت کی پرستش پر

ان کے نظامِ تربیت کی اساس قائم ہے وہ بُت برطانیہ ہی میں رہ گیا ہے' اور اب انگریز وہ انگریز نہیں رہا جو وہ انگلستان میں تھا۔ اب وہ ایک خود پسند' لالچی' عیار' فریبی' جھوٹا' دغاباز' لٹیرا اور راہزن ہے اور اب وہ اپنی ذات کے فائدے کے لئے ضمیر کا گلا گھونٹ دیتا ہے اور انسانی قدروں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انگریز میں انگلستان سے باہر نکل کر کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ وہ اب بھی اپنے اسی وطن کے بُت کو پُوج رہا ہے جس کی پرستش کی اس کو تربیت دی گئی ہے۔ اسے کبھی انسانیت کے اصولوں پر تربیت دی ہی نہیں گئی جو وہ انسانیت کے لئے خلوصِ مجسم بنے اور نہ اس کا خالق انسانیت کے ساتھ کوئی رشتہ استوار ہوا کہ وہ اللہ کے بندوں پر رحم کھائے۔

یہ مثال قطعی طور پر واضح کرتی ہے کہ اسلامی تربیت کے منہاج میں اور غیر اسلامی نظام ہائے تربیت میں کس قدر فرق ہے۔ اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے انسان کی تربیت کے نظام کی اساس عبادتِ الٰہی پر کیوں قائم کی ہے اور کیوں انسان کو تعلق باللہ کے دائمی رشتے میں مربوط کر دیا ہے۔

فلاحِ انسانی کی واقعی ضمانت

اس روئے زمین پر حقیقی خیر اور فلاح انسانی کی واقعی ضمانت اس وقت میسر آ سکتی ہے جب انسانی قلب اور اللہ سبحانہٗ کے درمیان ایک مضبوط' پائیدار اور زندہ رشتہ استوار ہو۔ اور اسی صورت میں یہ ضمانت بھی مل سکتی ہے کہ دنیا میں تمام انسانوں کے اپنے خالق سے ارتباط سے حق اور عدل قائم ہو جائیں اور تمام انسان باہمی انسانیت کا رشتہ محسوس کریں۔ اسلام چونکہ اس حقیقت سے آشنا ہے اس لئے اس نے عبادتِ الٰہی کو نظامِ تربیت کی اساس اور تمام نظامِ زندگی کا محور بنایا ہے۔

اسلام انسان کو تربیت دیتا ہے کہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کا اللہ سے تعلق برقرار رہے' اس کا تعامل اللہ کے ساتھ ہو' اس میں خشیت الٰہی' اللہ کی محبت اور اس کے بتائے ہوئے

منہاجِ زندگی کی جانب رجوع کا جذبہ موجود ہو' خواہ وہ اپنی خلوت میں ہو یا اپنے ہم جنس انسانوں کے ساتھ ہو' عبادت میں مصروف ہو یا عملی جدوجہد میں لگا ہوا ہو' صنعت وتجارت میں مصروف ہو یا کارِ سیاست انجام دے رہا ہو' صلح وآشتی کے لمحات میں ہو یا نزاع اور جنگ کے اوقات میں۔

بہرحال اسلام میں عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ عابد کی پوری زندگی اور اس کے تمام اعمال پر خشیت الٰہی محیط ہو' اس کا اللہ سبحانہٗ سے مسلسل تعلق قائم رہے اور وہ اللہ کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق عملی زندگی گزارے۔

عبادت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ انسان تارک الدنیا زاہد بن جائے اور رہبانیت اختیار کر لے۔ عبادت کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ انسان بڑی عاجزی اور نیازی سے نمازِ پنج گانہ ادا کر لے اور جب نماز پڑھ چکے تو پھر پہلے ہی کی طرح کالا لچی' خودغرض اور ظالم انسان بن کر باہر آ جائے' وہ بارِ امانت کے اٹھانے اور نصرتِ حق کرنے پر قادر نہ ہو۔ اس انسان کا بھی اللہ سے رشتہ استوار نہیں ہوا۔ یہ بھی تعلق باللہ کی منزل میں داخل نہیں ہوا۔ یہ تعلق باللہ کی منزل کا مسافر نہیں ہے بلکہ یہ راستے میں سائے میں بیٹھ کر آرام کرنے والا ہے۔

عبادت تو وصول الی اللہ کی جانب مسلسل سفر ہے اور بغیر رکے ہوئے چلنا ہے' اس طرح کہ راستے میں عبادات کے مقام پر ٹھہر کر سالکِ راہِ حق کچھ زادِ راہ حاصل کر لے' سفر کی تیاری کر لے اور آگے چل پڑے۔

اسلام سالک حق کے قلب کے اطمینان کے لئے بھرپور روحانی غذا فراہم کرتا ہے اور ہر ہر موقع پر سالک کی راہنمائی کرتا ہے' اس کی تنہائیوں میں اس کے فکر اور شعور کو جلا دیتا ہے' اس کی دنیائے عمل میں راہنمائی کرتا ہے اور اجتماعی زندگی کے مختلف مراحل میں اس کو واضح اصول عطا کرتا ہے۔ اس کی زندگی کی تاریک راہوں میں روشنی کرتا ہے تاکہ وہ ڈگمگا نہ جائے اور پھسل نہ جائے اور اگر گر بھی جائے تو پھر مٹی جھاڑ کر کھڑا ہو جائے اور اس روشنی میں چلنا شروع ہو جائے جو روشنی اس کے اندھیاروں میں اجالے

بکھیر رہی ہے۔ غرض اگر انسان کا قلب اللہ سبحانہٗ کی جانب ہمہ وقت متوجہ ہے تو اس کی زندگی کا سارا عمل عبادت ہے۔

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۷۷)

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف' بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں اور یتیموں پر' مسکینوں اور مسافروں پر' مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے' نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے' اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔''

یہ وہ منہاج عبادت ہے جو اسلام نے متعین کیا ہے اور جس پر تربیت کی اساس قائم کی ہے اور جس میں صدق' تقویٰ اور اللہ سبحانہٗ سے دائمی اور مسلسل تعلق کی شرط عائد کی ہے۔

بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ کی تالیف

[redacted]

تنزل اور ارتقاء کے مراحل

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے

سیّد وصی مظہر ندوی

علامہ اقبال نے یہ نظم جس کا ایک مصرعہ زیب عنوان ہے' اس زمانے میں کہی تھی جب مرزا غلام احمد قادیانی (جو خود اپنے اعتراف کے مطابق برطانوی حکومت کی حمایت میں اتنا مطبوعہ مواد شائع کر چکے تھے کہ جس سے پچاس الماریاں بھر جائیں) نے تاجِ برطانیہ سے وفاداری کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ ان کی نبوت کے زمانے میں جہاد کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ باطل اور ظلم کا خاتمہ کرنے کے لئے اب طاقت استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ انسان شعور و آگہی میں اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ ظالم و سرکش' چور اور ڈاکو' رشوت خور اور استحصالی' قاتل اور لٹیرے صرف تبلیغ و نصیحت اور دلیل کی قوت سے سیدھی راہ پر آ جائیں گے۔

لیکن علامہ اقبال نے مسلم اُمت کی ترجمانی کرتے ہوئے اس قسم کے فتوے جاری کرنے والوں سے اس نظم کے ذریعے پوچھا کہ باطل کی حفاظت کے لئے اہلِ مغرب تو تباہ کاری کے تمام ہتھیاروں سے لیس ہیں' آپ ان کا محاسبہ کیوں نہیں کرتے؟ اسلام کے خلاف آپ کی زبان میں تو بڑی طراری اور آپ کا قلم بڑا کاری ہے؟

حق سے اگر غرض تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر

خیر ہندوستان سے برطانوی استعمار کا تو خاتمہ ہو گیا لیکن دوسری جانب برطانوی استعمار کی کوکھ سے پیدا ہونے والا ہندوستانی استعمار جو قیامِ پاکستان سے قبل اکھنڈ بھارت کو بنیاد (Base Camp) بنا کر مغرب میں افغانستان' شمال مغرب میں وسطی ایشیا اور مشرقِ بعید کے ملکوں کو زیرِ نگین بنا کر عظیم شہنشاہیت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا'

اس ہندوستانی استعمار نے قیامِ پاکستان کے بعد اپنی خارجہ پالیسی کی بنیاد پاکستان کے خاتمہ کو بنایا جو مجوزہ نئی شہنشاہیت کے قیام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ اسی طرح داخلی پالیسی کی بنیاد بھارت میں بسنے والے ۱۵ کروڑ مسلمانوں کو شدھی کے ذریعہ ہندو یا تہذیبی طور پر ''ہندوتا'' تحریک کے ذریعے ان کے علیحدہ کلچر کو ختم کر کے ہندو معاشرے میں ضم کر لینے کو بنایا گیا۔

اس مقصد کے لئے ہندو استعمار کو ایسے نام نہاد مسلمان درکار تھے جو خطابت اور انشاء پردازی کی صلاحیت رکھتے ہوں اور مسلمانوں میں شکست خوردہ ذہنیت پیدا کر کے ان کو ہندو کلچر میں گھل مل جانے پر آمادہ کر لیں اور عالمی اُمت مسلمہ سے اور بالخصوص پاکستان سے ان کا قلبی اور ذہنی تعلق کسی نہ کسی طرح ختم کر دیں۔

اس کام کے لئے بکاؤ مال اور بھاڑے کے ٹٹوؤں کی کمی تو کبھی نہیں رہی مگر اس قسم کے لوگ بہت جلد بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں کو جال میں پھانسنے کی غرض سے یہ عناصر ''ہانکے'' کے لئے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں وہ ان کو جلد ہی پہچان کر ان کی طرف سے محتاط ہو جاتے ہیں' ان سے دُور بھاگتے ہیں اور اس طرح جال میں پھنسنے سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن اسے ہندو استعمار کی خوش بختی کہئے یا مسلمانوں کی بدقسمتی کہ اس کو بلا معاوضہ مولانا وحید الدین جیسے باصلاحیت صاحبِ علم' اہلِ قلم کی خدمات حاصل ہو گئیں جو اردو' انگریزی اور عربی زبانوں میں انشاء پردازی کی اعلیٰ صلاحیت کے مالک ہیں۔ اور جو اپنے اس ''انقلابِ حال'' سے قبل جماعتِ اسلامی ہند کے ایک معروف اہلِ قلم اور نہایت اعلیٰ درجے کی تحقیقاتی کتب کے مصنف کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھارت میں اس مہم کو سنبھالا۔

ان کے اس ''انقلابِ حال'' کا آغاز کسی لالچ یا مفاد پرستی سے ہرگز نہیں ہوا تھا۔ نہ ان کے افکار و نظریات سے شدید اختلاف رکھنے کے باوجود راقم اُن پر اب بھی یہ الزام عائد کرنے کی ہمت کر سکتا ہے کہ کسی مالی منفعت کا حصول ان کا اصل مقصود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ دوست میری رائے سے اختلاف کریں' لیکن میں اپنے مطالعہ کی بنا پر

سمجھتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی پاکستان کی پیروی کرتے ہوئے جب جماعت اسلامی ہند بھی سیاست کی پرخار وادی میں تیز تیز قدم بڑھانے لگی تو وہ جماعت جس کی اصل اٹھان علم وفکر پر ہوئی تھی' اس کی درجہ بندی میں ان لوگوں کی اہمیت بڑھتی چلی گئی جو میدانِ سیاست میں اپنے جوہر دکھا رہے تھے اور ان لوگوں کی اہمیت مسلسل کم سے کم تر ہوتی چلی گئی جو علمی' فکری' تحقیقی یا ادبی میدان میں کام کر رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں ان میں سے اکثر لوگوں میں بددلی پیدا ہوئی۔ اس بددلی کے نتیجے میں بہت سے اہم ارکان جماعت سے علیحدہ ہوئے اور بہت سے تلخ کامی کے باوجود جماعت سے وابستہ رہے' مگر رفتہ رفتہ غیر فعال ہوتے چلے گئے۔ جماعتِ اسلامی کی کئی ناکامیوں میں ایک اہم ناکامی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نظام کے اندر اہلِ فکر و دانش (جو بالعموم میدانِ سیاست میں سرگرم نہیں ہوتے) کے لئے کوئی ایسا فورم تخلیق نہ کر سکی جو ان حضرات کی سرگرمیوں کا مرکز بنتا اور جماعت کے اندر ان کو وہ عمومی احترام اور مقبولیت حاصل ہوتی جس کے وہ بجا طور پر حق دار تھے۔

بات قدرے طویل ہوتی جا رہی ہے' لیکن اس پس منظر کی وضاحت کے بغیر مولانا وحید الدین خان صاحب کے معاملے کو سمجھنا ممکن نہیں تھا۔ مختصر یہ کہ اسی قسم کی صورتِ حال مولانا وحید الدین خان صاحب کے ساتھ بھی پیش آئی۔ پہلے وہ خاصی مدت تک غیر فعال بن کر جماعتِ اسلامی کے ساتھ چلتے رہے' پھر بالآخر ان کی ''فکرِ رسا'' نے وہ وجہ تلاش کر لی جو ان کے خیال میں ان کی بددلی کا سبب تھی۔ مگر انہوں نے بہر حال پورے اخلاص کے ساتھ اپنی سوچ کو مدلل انداز میں لکھ کر جماعتِ اسلامی کے رہنماؤں کو بھیجا۔ ان کو جوابات تو کچھ نہ کچھ دیئے گئے مگر ان کا نفسیاتی تجزیہ کر کے اصل سبب کے ازالے کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ جوابات میں بھی نہ صرف تعلق اور محبت کی گرم جوشی اور ان کی قدر و قیمت کا احساس مفقود تھا بلکہ جماعتِ اسلامی ہند کے ایک بڑے عالم نے ان کے جواب دینے میں وہ رویہ اختیار کیا جو کوئی استاد اپنی کلاس کے کسی غبی بچے کے جواب میں اس کی غباوت اور کم فہمی کو طشت از بام کرنے کے لئے اختیار کرتا

ہے۔خود مولانا مودودیؒ سے انہوں نے اپنی ذہنی پریشانی دُور کرنے کی کئی بار گزارش کی مگر مولانا نے بھی جواب دینے اور کسی قسم کی وضاحت کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر چہ بعد میں مولانا مودودیؒ نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا وحید الدین کا نام لئے بغیر ان کے شبہات کا مدلل ازالہ کیا مگر تب تک مولانا وحید الدین خان کئی اور منزلیں آگے کی طرف طے کر چکے تھے۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا' اور یہی نکلنا تھا' کہ وہ مولانا مودودیؒ کی ''تعبیر'' کی غلطی بتاتے بتاتے اس حد تک بڑھ گئے کہ اسلام ہی کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔

چنانچہ انہوں نے عدل و قسط قائم کرنے' ظلم اور استحصال کے خاتمے اور الٰہی شریعت کے نفاذ وغیرہ' کسی بھی اجتماعی اصلاح کے لئے کسی بھی مرحلے پر طاقت کے استعمال کو ناجائز قرار دے دیا۔ انہوں نے بابری مسجد کے انہدام پر مسلمانوں کے احتجاج کو غلط قرار دیا' کشمیری باشندوں کی جدوجہد آزادی کی مذمت کی' قیامِ پاکستان کو تباہ کن فیصلہ قرار دیا۔ وہ اقبال' قائداعظم اور مولانا مودودی کے بدترین مخالف بن گئے اور جہاد و قتال کو اس طرح منسوخ ٹھہرا دیا جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے منسوخ قرار دیا تھا۔

وہ اس راہ میں اتنا آگے بڑھتے گئے کہ متعصب ہندوؤں کی آنکھ کا تارا بن گئے۔ ان کی مذہبی تقریبوں میں بھی انہیں بھاشن کے لئے بلایا جانے لگا اور وہ اپنے لئے اس اظہارِ محبت و عقیدت کو اپنے طریقۂ کار کی صحت کی ناقابلِ انکار دلیل سمجھ بیٹھے۔ بھارت میں ان کی صلح جوئی' امن پسندی اور عدم تشدد کی علمبرداری کی شہرت بڑھتے بڑھتے سوویت روس کے سابق صدر جناب گورباچوف کی سرپرستی میں دنیا کے مختلف ممالک کے سابق وزراء خارجہ کی کونسل کے چیئرمین کی جانب سے انہیں ''بین الاقوامی الوہی امن'' ایوارڈ پیش کیا گیا۔ ایوارڈ پیش کرنے کی شاندار تقریب سویٹزرلینڈ میں منعقد ہوئی۔ ہندوستان ٹائمز ۱۸ اکتوبر کے مطابق ایوارڈ وصول کرنے والوں میں مولانا کے علاوہ روس کے موجودہ صدر ولادی میر پوٹن' جنوبی افریقہ کے ڈسمنڈ ٹوٹو'

امریکی میڈیا کے ٹیڈ ٹرنر' یوگوسلاویہ کی شہزادی ایلز بیتھ کراڈچی وک اور پروفیسر میخائل ونڈی شامل ہیں۔ دیکھئے انعام پانے والوں کی فہرست میں مولانا کے ساتھ کتنے خوبصورت نام شامل ہیں؟ (کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز)

اسلامی جہاد وقتال اور دہشت گردی

مولانا وحید الدین خان صاحب کے ایک مسلم دانشور' مفکر اور انشاء پرداز ہونے میں مجھے ذرا بھی شبہ نہیں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کے وہ نظریات جو بھارت کے تشدد پسند ہندوؤں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور اب جو قتل وغارت گری کے مرتکب عالمی مجرموں میں بھی پذیرائی حاصل کر رہے ہیں' ان کے یہ نظریات خدانخواستہ مفاد پرستی پر مبنی ہیں۔ تاہم مولانا جیسے صاحب علم' تجربہ اور سرد وگرم چشیدہ مفکر کو یہ تو دیکھنا چاہئے کہ وہ اب کن لوگوں کے ساتھ بریکٹ ہو رہے ہیں۔ کیا یہ قرآنی اصطلاح کے مطابق ﴿حَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا ۞﴾ کہلانے کے مستحق ہیں؟ کیا یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا ذکر سورۃ التحریم کی آیت مبارکہ میں ہے:

﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ﴾

''جس دن اللہ نبی (ﷺ) کو اور اُن کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہ کرے گا' ان کا نور اُن کے آگے اور ان کے سیدھے ہاتھ پر دوڑ رہا ہوگا''۔

دہشت گردی کیا ہے؟

خیر اب اس بات کو چھوڑیئے' آیئے دیکھیں کہ کیا دہشت گردی اور اسلامی جہاد و قتال ہم معنی ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں کچھ مسلمانوں کی غلطیوں سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے دشمنوں نے عالمی میڈیا کے ذریعے اسلامی جہاد وقتال اور دہشت گردی کو بالکل ہم معنی ثابت کرنے کا گویا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ حالانکہ دہشت گردی کا مطلب جیسا کہ خود اس لفظ سے ظاہر ہے' خوف وہراس پھیلانا ہے۔ چھوٹے پیمانے پر ایک ڈاکو کسی گھر' دوکان یا بینک میں گھس کر وہاں موجود لوگوں کو دہشت زدہ کر کے لوٹ مار کرتا ہے

اور بین الاقوامی سطح پر بعض حکومتیں کسی دوسرے ملک یا قوم میں دہشت پھیلا کر اسے عدم استحکام میں مبتلا کرتی ہیں تاکہ اس پر اپنی مرضی مسلط کر سکیں یا اس کے وسائل سے ناجائز فوائد حاصل کریں۔ اس قسم کی دہشت گردی اسلام میں قطعاً حرام اور ناجائز ہے چاہے اس دہشت گردی کا نشانہ کوئی ظالم ہی کیوں نہ ہو۔

جہاد کیا ہے؟

اسلام نے جہاد کی دو قسمیں بتائی ہیں:

۱) دفاعی جہاد و قتال: یعنی اپنی جان، مال، عزت و آبرو (بشمول آزادی) کی حفاظت کے لئے طاقت کا استعمال کرنا۔ اگر اس قسم کی صورتِ حال سے کوئی فرد یا چند افراد ذاتی طور پر دوچار ہو جاتے ہیں تو ان کو اپنے دفاع کے لئے غیر مشروط طور پر طاقت کے استعمال کا حق ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے''۔ (بخاری)

جان اور آبرو کی حفاظت کا حکم بھی اسی ارشاد سے ظاہر ہے۔ تاہم کسی فرد یا چند افراد کے بجائے کسی قوم یا ملک یا طبقے کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو اس ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے افراد کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ ہر فرد جس طرح چاہے ظالم کے خلاف طاقت کا استعمال کر ڈالے۔ کیونکہ اس طرح ظلم ختم ہونے کی بجائے اس میں اور زیادہ اضافے کا اندیشہ ہے۔ علاوہ ازیں اگر افراد کو اپنی مرضی سے طاقت استعمال کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو اس سے فساد اور خون ریزی پھیلنا یقینی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فساد اور خون ریزی کو پسند نہیں فرماتا۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ البتہ اس قسم کے ظلم اور ناانصافی کے خاتمے کے لئے منظم اجتماعی جدوجہد کی جا سکتی ہے، بلکہ کی جانی چاہئے۔ جیسا کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آلِ فرعون کے مظالم کا مقابلہ کرنے کے لئے نبوت سے قبل اپنی ایک پارٹی بنائی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی ایک آیت میں موجود ہے:

﴿فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ﴾ (القصص:۱۵)

''تو موسیٰ سے اس آدمی نے مدد طلب کی جو موسیٰ کی پارٹی سے تعلق رکھتا تھا''۔

نبی ﷺ نے بھی مکّہ میں ''حلف الفضول'' کے معاہدے میں شرکت کی تھی جس کا مقصد ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کرنا تھا۔ تاہم نبوت کے بعد آپؐ نے جو جدوجہد شروع کی اس کے دوران آپؐ نے انسدادِ مظالم کے لئے کبھی طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں دی' حالانکہ عرب کے ہر فرد کے پاس اس زمانے میں ایک جیسے ہتھیار ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے بہادر ساتھیوں میں سے کوئی آپؐ کی ہدایت پر ابوجہل' ابولہب' عتبہ یا شیبہ کا کام تمام کرسکتا تھا مگر نبی ﷺ نے اس قسم کی ہدایت دینے کے بجائے ہمیشہ ہاتھ روکے رکھنے اور صبر کرنے کی تلقین کی۔ البتہ جن لوگوں کے لئے مظالم ناقابلِ برداشت ہوگئے ان کو حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ سچائی کے راستے میں گزشتہ زمانے کے حق پرستوں کو جو مصائب برداشت کرنے پڑے نبی ﷺ ان کو بیان کر کے اپنے صحابہ کو تسلی دیا کرتے۔ قرآن میں بھی ان لوگوں کا نمونہ بیان کیا گیا' جن میں سے اصحاب الاخدود کا واقعہ خاص طور پر لائقِ ذکر ہے جن کو گہرے کھڈوں میں شعلہ زن آگ کے حوالہ کر دیا گیا (دیکھئے سورۃ البروج)۔

تاہم جب مدینہ منورہ میں ایک بااختیار ریاست قائم ہوگئی تب ''پابند حکم سپاہیوں'' کو طاقت کے استعمال کی اجازت یہ کہتے ہوئے دی گئی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ﴾ (الحج:٣٩'٤٠)

''ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ بھی طاقت استعمال کریں) جن کے خلاف (اب تک) طاقت استعمال ہوتی رہی ہے (یہ اجازت اس لئے دی جارہی ہے کہ) ان پر ظلم کیا گیا' اور یقیناً اللہ ان کو فتح یاب کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کو ان کے گھروں سے صرف اس لئے نکالا گیا کہ وہ کہتے ہیں ہمارا ربّ (مالک) اللہ ہے''۔

۲) دوسری قسم کے جہاد کی وضاحت سے پہلے لفظ جہاد کے معنی ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ''کسی مخالف کے مقابلے میں پوری پوری کوشش صرف

کرنا''۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اس کی تین صورتیں ہیں:

(ا) جب طاقتور کمزوروں کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے ہوں' کمزور مَردوں' عورتوں اور بچوں کو ستا رہے ہوں اور یہ مظلوم (زبانِ حال اور زبانِ قال سے) اللہ سے دعا کر رہے ہوں کہ اس ظالم بستی سے انہیں نجات ملے اور کوئی ہمدرد و مددگار ان کی مدد کے لئے نمودار ہو۔ ایسی حالت میں نہ صرف ظالموں کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت ہے بلکہ جو اُن ظالموں سے جنگ کی شرطیں پوری کرتا ہو اور پھر جنگ نہ کرے تو قرآن مجید میں اس کو لائق ملامت ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ (النساء:۷۵)

''اور تم کیوں اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے جبکہ حال یہ ہے کہ کمزور بنا کر رکھے ہوئے مرد' عورتیں اور بچے (موجود ہیں) جو کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! اب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے اہل (حاکم) ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی ہمدرد پیدا فرما دے اور اپنے پاس سے ہمارا کوئی مددگار کھڑا کر دے''۔

(واضح رہے کہ اس آیت میں اشارہ اگرچہ ان مسلمانوں کی طرف ہے جو اپنے اپنے قبائل کے اندر جبر وظلم کا نشانہ بنائے جا رہے تھے مگر الفاظ عام ہیں' ہر مظلوم گروہ اور قوم اس بات کی مستحق ہے کہ اس کو ظلم سے چھٹکارا دلایا جائے۔)

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام کے نظامِ عدل وقسط کو دنیا میں نافذ کرنے کی کھلی دعوت دی جائے۔ اس نظام کو قائم کرنے والی جماعت منظم کی جائے۔ ظالموں اور حق مارنے والوں کے خلاف رائے عامہ تیار کی جائے۔ اس راہ میں کھڑی کی جانے والی رکاوٹوں کا مقابلہ کیا جائے اور اگر ظالم قوت وطاقت سے اس دعوت کو دبانے کی کوشش کریں تو ان کے مقابلے میں طاقت استعمال کی جائے۔ مگر طاقت استعمال کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے کڑی شرائط عائد کی ہیں جن کو بالاختصار آگے کی سطور میں ہم

بیان کررہے ہیں۔لیکن ان شرطوں کے بیان سے قبل یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اسلامی عقائد کو منوانے یا اسلامی عقائد نہ ماننے والوں کو اسلامی عبادات کی پابندی پر مجبور کرنے کے لئے طاقت کے استعمال کی اجازت کسی حال میں بھی نہیں۔

بہرحال اسلام کا نظامِ قسط وعدل جس کو قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور رسول بھیجتا رہا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ (الحدید: ۲۵)

''اور یقیناً ہم نے اپنے رسول کھلے ہوئے دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب (قانونِ عدل) اور (عدل کو بتانے والی) ترازو اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں' اور (ہاں) ہم نے فولاد بھی اتارا جس کے اندر بڑی قوت ہے (جنگ میں استعمال ہوتا ہے) اور لوگوں کے لئے (دوسرے) کئی فائدے ہیں' تاکہ اللہ پرکھ لے کہ کون ہے جو (انصاف کو قائم کرنے میں) اس کی اور اس کے رسولوں کی (فولاد کی قوت سے) غیب میں رہتے ہوئے مدد کرتا ہے (ویسے تو وہ کسی کا محتاج نہیں)' بیشک اللہ طاقتور غالب ہے۔''

خاتم النبیین ﷺ کے بعد اب یہ ذمہ داری آپؐ کی اُمت پر عائد ہے کہ وہ قیامِ قسط وعدل کے لئے جدوجہد کرے۔تاہم اس نظام کو قائم کرنے کے لئے طاقت کا استعمال مخصوص حالات اور شرائط کے مطابق ہی ہوسکتا ہے۔ان شرائط میں سے:

۱) پہلی شرط یہ ہے کہ اس نظام کے قیام کی پُرامن کوشش کو ظالم لوگ طاقت کے ذریعہ ختم کرنے یا دبانے کی کوشش کریں تو ان کے مقابلے میں طاقت استعمال کی جائے۔

۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اس نظام کے قائم کرنے کے علمبردار ایک بااختیار سربراہ کے ماتحت ڈسپلن کی پابندی کررہے ہوں۔غیر منظم ٹولیوں یا افراد کو طاقت استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

۳) تیسری شرط یہ ہے کہ قرآن کے مقرر کردہ معیار کی روشنی میں نظامِ حق کے علمبردار

ضروری مادی طاقت رکھتے ہوں۔

۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ طاقت صرف جنگ کرنے والوں کے خلاف استعمال کی جائے۔ نابالغ بچے' جنگ نہ کرنے والی خواتین اور مرد' مذہبی راہنما یا تارک الدنیا راہبوں کے خلاف طاقت استعمال نہ کی جائے۔ نہ لوٹ مار کی جائے' نہ توڑ پھوٹ اور تباہی پھیلائی جائے۔

(ج) دوسری قسم کے جہاد کی تیسری قسم یہ ہے کہ جب کوئی ظالم طاقت اسلامی ریاست پر حملہ آور ہو اس صورت میں اسلامی ریاست کا دفاع ہر اُس شخص پر فرض ہو جاتا ہے جو اسلام کے نظامِ عدل پر ایمان رکھتا ہو اور دفاع میں حصہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

میں نے نہایت اختصار کے ساتھ اسلامی جہاد کے جو احکام بیان کئے ہیں ان کی رو سے: کسی بااختیار سربراہ کی اجازت کے بغیر کسی طرح سے بھی طاقت کا استعمال یا کسی بے گناہ شخص' بچے یا عورت کا قتل یا کسی غیر جنگی ادارے' کارخانے' کاروبار یا زرعی فارموں کی تباہی یا بے گناہوں کو یرغمال بنانا' طیارہ اغوا کر کے یا کسی طرح سے کسی شخص کو اغوا کرنا' یا کسی محصور مقام پر رہتے لوگوں کو گھیر لینا' یہ سب طریقے فساد فی الارض کے طریقے ہیں اور اسلام میں قطعاً حرام ہیں۔ oo

داعی و مؤسس تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کی نئی کتاب

ختم نبوت کے دو مفہوم

اور

تکمیل رسالت کے عملی تقاضے

شائع ہوگئی ہے۔ کل صفحات 48 ' قیمت 12 روپے

ملنے کا پتہ: قرآن اکیڈمی 36- کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501

بڑا بے ادب ہوں.....

محمد وقاص اطہر*

''آدمؑ ممنوعہ درخت کے قریب شیطان کے بہکانے پر گئے تھے' لہٰذا زمین پر بھیج دیئے گئے''۔ آدمؑ نہ بھولتے تو میں بھی آج جنت میں ہوتا۔ قصور یا شیطان کا تھا یا آدمؑ کا۔ میرا کیا قصور ہے کہ مجھے جنت میں نہیں رکھا گیا؟..... ''جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے' اور اللہ جو کرتا ہے صحیح کرتا ہے''۔ جب سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے اور وہ سب کچھ صحیح کرتا ہے' پھر ہماری پکڑ کاہے کو ہوتی ہے؟..... ''اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے''۔ جب ہدایت بھی اللہ نے اپنی مرضی سے دی تو زاہدِ خشک انعام کیوں پائے اور گمراہ بھی اسی نے کیا تو رِند بے چارہ آگ میں کیوں جلے؟.....

زندگی کیا ہے؟ کس لئے ہے؟ کیا واقعی غیب کچھ ہے؟ یہ غیر مرئی کیوں ہے؟ کیا قرآن واقعی محفوظ ہے؟ نماز کیا ہے؟ عبادات کیوں ضروری ہیں؟ افریقہ کے جنگل میں ایک اکیلا شخص' جس تک کوئی پیغمبر نہیں پہنچا' کسی پیغمبر کا پیغام نہیں پہنچا' کفر سے ایمان کا سفر کیسے طے کرے؟ دعا کیا ہے؟ کیا اس کا کوئی اثر ہے؟ غربت کیوں ہے؟ ظلم کیوں ہے؟ سارے انسان برابر کیوں نہیں؟ اگر اللہ کا پیغام پیغمبروں کو ملا ہے تو مجھے کیوں نہیں ملا؟ میں بھی تو آدم کی اولاد ہوں' میں بھی تو اسی دنیا میں پیدا ہونے والا انسان ہوں' کیا میرا حق نہیں کہ.....

اس سے پوچھا تو جواب ملا: ''شش' چپ! ایسی باتیں نہیں کرتے۔ ان سے ایمان کمزور ہوتا ہے''۔ (ایمان؟؟؟ ہاں ضرور کمزور ہوسکتا ہے اگر کوئی ایمان ہو تو)۔ اس سے پوچھا تو وہ بولا: ''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ عقل سے کام لو' کس طرح کے سوال

☆ فائنل ایئر' ایم بی بی ایس' کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور

کرتے ہو؟'' (عقل سے کام لیا تو سوالات میں اضافہ ہو گیا)۔ اک اور سے ذکر کیا تو جان کو خطرے میں پایا۔ مؤمن کو بے علم پایا' عالم کو بے ایمان پایا۔ آخر پکارا کامل علم رکھنے والے کو' ایک ایسے علم رکھنے والے کو جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے' ہاں پکارا العلیم کو کہ اگر کوئی خدا ہے تو جواب دے۔ پکارنے والے نے پکارا جب اُس کو جس کو پکارا جانا چاہئے تو اُس نے دعا سنی اور پکار کا جواب دیا۔

''اے جنت اور آدمؑ کی تخلیق کرنے والے! تو نے آدمؑ کو جنت دی تھی' مجھے بھی جنت دیتا' میں درخت کے قریب نہ جاتا''۔ جواب ملا: وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے' جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لئے ہے' اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔ ہاں یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ تمہیں زمین پر اتارا گیا' تم نے اس دنیا کے شجرِ ممنوعہ کے قریب جانے سے اپنے آپ کو روکا یا نہیں۔ ہم نے جس کو چاہا جنت دے کر آزمالیا اور جس کو چاہتے ہیں زمین دے کر آزماتے ہیں۔

پوچھا کہ اے رسولوں پر وحی بھیجنے والے! تیرا پیغام مجھے بلاواسطہ کیوں نہیں ملا' میں بھی تو انسان ہوں۔ جواب ملا: میں جانتا ہوں کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے اور کس طرح لوں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے فرامین کی ترسیل کے لئے ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ بیشک وہ سننے' دیکھنے اور جاننے والا ہے۔ تم اپنے اوپر نظر ڈالو اور بولو کہ تم لوگوں کو ہمارا پیغام پہنچانے اور ان کے لئے مثال بننے کے قابل ہو؟

''اے زندگی کے خالق! زندگی کا مقصد؟'' ہم نے موت اور زندگی پیدا کی اور تم کو زمین کا خلیفہ بنایا' تاکہ تمہیں آزمائیں کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ ہم غیب کا علم رکھتے ہیں اور مستقبل کا حال جانتے ہیں کہ کون کیسا عمل کرے گا' مگر ہم نے تمہیں زندگی اور موقع دیا تاکہ تم پر حجت قائم ہو جائے اور بعد میں یہ نہ کہہ سکو کہ اے اللہ! تو نے بغیر آزمائے ہی جزا اور سزا کا فیصلہ کر ڈالا۔

امیر کی امارت دیکھی' غریب کی غربت دیکھی' حاکموں کو فرعون پایا' مجبور کو سجدے

میں دیکھا' منصف کا انصاف دیکھا۔ سب سے بڑھ کر حکیم سے جواب پایا کہ ہم کسی کو دولت دے کر آزماتے ہیں اور کسی سے دولت لے کر' کسی کو اس کی مقدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں بلند درجے دیئے تاکہ تمہیں آزمائیں کہ کون اچھے عمل کرتا ہے اور اس باب میں ہر کسی کو اس کی استطاعت کے مطابق ہی ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ جس نے جیسی کوشش کی ہوگی اس کا بدلہ اسے ملے گا' لیکن اس ملنے کی جگہ یہ دنیا نہیں' آخرت ہے۔ انصاف کے لئے انصاف کا دن آئے گا اور انصاف تو آخرت میں ہی ملے گا' ہم نے دنیا میں بدلہ دینے کا وعدہ نہیں کیا۔

متقی کی کافر سازی دیکھی۔ پوچھا ایں چیست؟ پیغام ملا: ''اپنی پاکیزگی کے دعوے مت کرو' وہی بہتر جانتا ہے کہ متقی کون ہے۔ اپنے بندوں کے گناہوں سے اسی کا واقف ہونا کافی ہے''۔ خطیب وملّا کو دشنام طراز اور بددعاؤں میں طاق پایا' مایوسی ہوئی۔ سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے کو کہتے سنا: ''اے موسیٰؑ اور ہارونؑ! تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ تو اس سے نرمی سے بات کرنا' شاید کہ وہ ایمان قبول کرے۔ اور دعوت دو اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور مباحثہ کرو لوگوں سے ایسے طریقے سے جو بہترین ہے۔ بیشک تیرا ربّ ہی خوب جانتا ہے اس کو جو بھٹک گیا اس کے راستے سے اور وہی بہتر جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں''۔ پھر یاد آئی سیرت اپنے نبی ﷺ کی کہ پاپوش لہو میں ڈوب گئے' پر طائف والوں کے لئے زبان سے بجز ہدایت کی دعا کے اور کچھ نہ نکلا۔

جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے' اور اللہ جو کرتا ہے صحیح کرتا ہے۔ اسی نہایت بزرگ و برتر کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے' وہ زمین اور آسمانوں کا انتظام کرتا ہے' اور ہر شخص کو آزمانے کے لئے ایسے حالات پیدا کرتا ہے' تمام حالات پیدا کرتا ہے جو اس شخص کو آزمانے کے لئے بہترین ہوں' صحیح ہوں۔ اور وہ نہایت رحم دل' زمین میں انسان کو اختیارات کا کچھ حصہ دے کر بساتا ہے' اتنا حصہ کہ

وہ اس کے پیدا کئے ہوئے حالات میں' سامنے آنے والی ہر صورتِ حال میں' ممکن راستوں میں سے اپنی مرضی کے مطابق کوئی راستہ اختیار کرتا جائے' چاہے اچھا راستہ چن کر اچھے کام کرے اور چاہے تو برا راستہ چن کر برے کام کرے۔ آزمائش تو اسی چننے میں ہے اور یہ چننا تدبیر ہے۔ انسان کے لئے چننے کا اختیار دیئے گئے راستوں میں سے ہی ہوتا ہے۔ چننے' کچھ کرنے کے نتیجے میں نئے حالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ نئے حالات بھی خدا ہی کی مرضی ہے کہ جس طرح کے چاہے پیدا کرے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اس نے اپنی قدرت سے انسان کو کچھ اختیار دیا۔ اختیار دیا اسے کوشش کرنے کا' چاہے اچھائی کی کوشش کرے یا برائی کی' اور اس باب میں ہر ایک کو اُس کی استطاعت کے مطابق ذمہ دار ٹھہرایا۔ استطاعت وہ ہے جو صلاحیتیں اس کو دی گئیں' جو حالات اس کے سامنے آئے۔ اس کی سعی وہ ہے جو ان حالات کا سامنا کرتے ہوئے انسان نے تدبیر کی' جو اس نے کرنا چاہا' جو اس نے چنا' جس کے لئے اس نے کوشش کی۔ نتیجہ اس سعی کا خدا کے ہاتھ میں ہے' چاہے کوشش کا بدلہ دے' چاہے نہ دے۔ یہ ہے انسان کی تقدیر۔ خوش ہو جاؤ اے آدم کی اولاد! انصاف کے دن جزا اور سزا تمہاری کوشش کو دیکھ کر دی جائے گی نہ کہ تمہاری کوشش کے نتائج کو دیکھ کر' کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے نہ کہ اعمال کے نتائج پر۔

''حقیقت یہ ہے کہ یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کے قصے میں ان پوچھنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ جب یعقوبؑ نے کہا: ''اے میرے بچو! مصر کے دار السلطنت میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا' بلکہ مختلف دروازوں سے جانا' مگر میں اللہ کی مشیت سے تم کو نہیں بچا سکتا' حکم اس کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اسی پر کرے''۔ اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ جب وہ اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق شہر میں (متفرق دروازوں سے) داخل ہوئے تو ان کی یہ احتیاطی تدبیر اللہ کی مشیت کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہ آ سکی۔ ہاں' بس یعقوبؑ کے دل میں جو ایک کھٹک تھی' اسے دور کرنے کے لئے اس نے اپنی سی کوشش کر لی۔

بے شک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحبِ علم تھا''۔ وہ صاحبِ علم تھا اسی لئے جانتا تھا کہ تدبیر اپنی سی کوشش کرو کہ یہ فرض ہے نتیجے کی فکر نہ کرو کہ نتیجہ تو تقدیر اللہ کی مشیت ہے اور نہیں ہے کسی کے لئے بدلہ سوائے اس کے جس کی اس نے کوشش کی۔

''اے ربّ! ہدایت اور گمراہی بھی تو ہی دیتا ہے پھر گمراہ ہونے والے کا قصور؟'' بے شک اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا وہ قادر ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں اور ہم اپنی طرف آنے والے کا راستہ اسی کو دکھاتے ہیں جو ہماری طرف رجوع کرے جو ہماری خاطر جدوجہد کرے۔ تمہارے پاس ہماری طرف سے ایک ایسی کتاب آ گئی ہے جس کے ذریعے سے ہم ان لوگوں کو جو ہماری رضا کے طالب ہیں اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ دکھا دیتے ہیں۔

کتاب کھولی تو پہلے صفحہ پر لکھا پایا: ''یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے ان پرہیزگاروں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں.....'' سوال کیا کہ اے ربّ! اے راہِ راست کی طرف راہنمائی کرنے والے! مانا کہ یہ کتاب ہدایت ہے پر یہ کتاب تو ہدایت ہی ان لوگوں کے لئے ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایک دنیا دار ایک دہریہ افریقہ کے جنگل میں ایک اکیلا تنہا ایک فلسفی ایک مفکر..... دنیا میں کوئی بھی انسان جو تنہا ہو اکیلا ہو وہ بغیر دیکھے غیب پر کیسے ایمان لائے کہ بنیادی مسئلہ ہی ماننے اور نہ ماننے کا ہے؟ جس نے مان لیا اس نے تو سب مان لیا لیکن نہ ماننے والا ایمان تک کا سفر کیسے طے کرے؟؟؟

ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعے سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ ایک ہے تم اسی کی عبادت کرو۔ جس تک کسی پیغمبر کا پیغام پہنچے خواہ کسی ذریعے سے پہنچے وہ رسول کو دیکھے اس کی زندگی کو پرکھے اور اس کی زندگی کو جھوٹ سے پاک پائے کہ ہر رسول اپنے دور کا بہترین شخص ہوا ہے تو مان جائے کہ رسول جو کہہ رہا ہے وہ سچ ہے اور ایمان لے آئے خدا پر بغیر دیکھے۔ کیا تم تک نبی ﷺ کا پیغام نہیں

پہنچا؟ کیا تم نے اس کی زندگی میں اچھائی کے سوا کچھ پایا؟ کیا تم اپنے رسول کی بات پر ایمان نہیں لاتے؟

وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے' اس نے تمہاری طرف روشن دلیل بھیج دی ہے جو صاف صاف راستہ دکھانے والی ہے۔ اب جو لوگ اللہ کی بات مان لیں گے وہ ان کو اپنی رحمت کے دامن میں لے لے گا اور اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ ان کو دکھا دے گا' حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا' تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ یہ ایک نصیحت ہے' اب جس کا جی چاہے اپنے ربّ کی طرف آنے کا راستہ اختیار کر لے۔ سارے انسان اور جن اکٹھے ہو جاؤ اور اللہ کے سوا اپنے جس جس مددگار کو بلا سکتے ہو بلا لو اور ایسی کتاب بنا لاؤ۔ تب بھی ایسی کتاب نہ بنا پاؤ اور یقیناً نہ بنا سکو گے' تو مان جاؤ کہ یہ اُس کا کلام ہے جو ہر چیز کا خالق ہے' اور ایمان لے آؤ خدا پر بغیر اس کو دیکھے۔ کیا تم اس کتاب پر بھی ایمان نہیں لاتے؟

ہم نے تم کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیت دی' سوچنے سمجھنے والے دل دیئے۔ تم سوچو اور غور کرو' زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لئے' جن پر سے یہ لوگ گزرتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں دیتے۔ ان سے کہو: ''زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو'' اور جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ان کے لئے نشانیاں اور خبردار کرنا کیونکر مفید ہو سکتا ہے؟ جسے عقل دی گئی وہ سوچے' زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں غور کرے' خلا اور سمندر کو دیکھے' اپنے آپ میں جھانکے۔ ایک موقع پر جا کر اس کی عقل یہ کہہ دے گی کہ یہ سب کچھ از خود بغیر خالق کے نہیں ہو سکتا اور وہ پکار اٹھے گا: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ ''اے ربّ! تو نے یہ سب بے فائدہ نہیں بنایا''۔ تو یہی اس کا ایمان ہے۔ دیکھو' تم کچھ بھی نہیں' تم محدود ہو'

نہ تم ایسی دنیا بنا سکتے ہو' دنیا تو کیا' ایسا انسان کجا' تم ایک مکھی کو بھی تخلیق نہیں کر سکتے۔ اے عقل کے بندے! عقل کی محدودیت کو جانو' بن جاؤ اس کے بندے جو لامحدود ہے' جو absolute ہے' ہاں بن جاؤ اللہ کے بندے ابراہیمؑ کی طرح۔ ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جب کہ اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا: ''کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ ان بتوں کو جن کو تو اپنے ہاتھ سے بناتا ہے۔ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں''۔ ابراہیمؑ کو ہم اسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظامِ سلطنت دکھاتے تھے اور اس لئے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا' کہا یہ میرا ربّ ہے! مگر جب وہ خود ڈوب گیا تو بولا: ''ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں''۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا ربّ! مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا: ''اگر میرے ربّ نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا''۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا ربّ' یہ سب سے بڑا ہے' مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیمؑ پکار اٹھا ''اے برادرانِ قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں''۔ اور ایمان لے آیا وہ اس ربّ پر جو سب چیزوں کا خالق تھا اپنے ربّ کی نشانیوں کو ربّ ہی کی دی ہوئی عقل سے پرکھنے پر۔ پایا اس نے راستہ کہ بیزار تھا محدود کی عبادت سے اور آیا تھا وہ اپنے ربّ کے پاس قلبِ سلیم لئے ہوئے۔ کیا تم اپنی عقل کے ذریعے بھی راستہ نہیں ڈھونڈ سکتے؟

جب تمہارے ربّ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا ''کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟'' انہوں نے کہا: ''ضرور آپ ہی ہمارے ربّ ہیں' ہم اس پر گواہی دیتے ہیں''۔ یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ''ہم تو اس بات سے بے خبر تھے'' یا یہ نہ کہنے لگو کہ ''شرک کی ابتداء تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل

سے پیدا ہوئے' پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا؟'' ہم نے روحوں سے یہ وعدہ لیا تھا جب ہم نے انسان کی تخلیق کی' اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس میں الہام کر دی۔ افریقہ کے جنگل میں ایک جنگلی ..... اسے دل دیا گیا' اپنے من میں ڈوب جائے اور روح کے کئے ہوئے وعدے کی بنا پر پالے توحید کے راز کو تو یہی ایمان ہے۔ لقمان نہ پیغمبر تھا اور نہ پیغمبر کا پیروکار۔ اس نے اپنی نیک فطرت کی بنا پر خدا کو پالیا۔ یہی تو الہام ہے جو جوانی سے عمر کے ساتھ آنے والی سوچ اور عقل کی پختگی کو حقیقت کی تلاش میں نکالتی ہے' زندگی کا مقصد معلوم کرنے کے لئے' جب سوال اٹھتے ہیں ذہنوں میں تخلیق کے متعلق اور انجام کے متعلق' خدا کے متعلق اور خدا اور بندے کے تعلق کے متعلق' مذہب کے متعلق اور دنیا میں ناانصافی کے متعلق' زندگی کے متعلق اور زندگی کے مقصد کے متعلق۔ جو کتراتا ہے ان سوالوں سے وہ کھو دیتا ہے' جو تلاش کر لیتا ہے وہ پالیتا ہے۔ قسم اللہ کی! جو تلاش کرے گا وہ ضرور پائے گا' کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے اپنے راستے دکھانے کا اس کو جو اللہ کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے' اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کا پورا کرنے والا ہو؟ یہی روحوں کا الہام ہے' جس کے باعث اپنے سے کسی بڑے' بہت بڑے کا تصور باقی رہتا ہے' جس تصور کی وجہ سے ہر شخص اپنا خدا بناتا ہے کسی اس چیز کو جو اسے اپنے سے بڑی معلوم ہو' افریقہ کے جنگلی کے لئے بجلی کی کڑک کو جو اسے جلا سکتی ہے' ہندو کے لئے گائے کہ اس سے دودھ حاصل کرتا ہے' ایک بُت پرست کے لئے بُت کہ اس کی عبادت سے دل کو اطمینان ملے' ایک آتش پرست کے لئے آگ کہ حفاظت سے خوراک تک اس کا ساتھ ہے' ایک دہریہ کے لئے عقل کہ اس سے بڑی چیز ماننا اس کی انا کے خلاف ہے' اور ایک مؤمن کے لئے ''اللہ وحدہ لاشریک'' جو ان سب سے بلند اور برتر ہے اور پاک ہے ان سب کمزوریوں سے جو دوسرے خداؤں میں ہیں۔ کیا تم اپنے اندر جھانک کر بھی اسے محسوس نہیں کر سکتے جو تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے؟

ایک بار الہام سے' عقل سے' قرآن سے' نبی کے پیغام سے' جو بھی تمہیں دیا گیا'

اسی سے (کہ تمہاری آزمائش تمہیں دیئے گئے حالات ہی میں ہے) تمہارا دل کہے کہ ایک اللہ ہے' اور اللہ ایک ہے تو مان جاؤ اور ضد نہ کرو' کیونکہ نمرود مبہوت رہ گیا جب ابراہیمؑ نے سورج کو مغرب سے نکالنے کا مطالبہ کیا اور انکار کیا اپنی ضد اور انا کے باعث۔ دل یقین لائے کہ حاکمِ حقیقی اللہ ہے تو مان جاؤ کہ یہ ماننا ہی ایمان ہے اور ایمان لانے کے بعد ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی (سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا) ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اور جس کو اب بھی یقین نہ آئے وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟؟ وہ پکار دیکھے خدا کو' آواز دے اللہ کو' کہ کوئی خدا ہے تو سیدھا راستہ دکھائے ..... پکارے بار بار' بے شک اللہ ہے اور جواب دیتا ہے ہر اُس شخص کو جو واقعی راستے کا متلاشی ہو۔ کیا تم خدا کو پکار چکے ہو؟ یا پھر پکارنا ہی نہیں چاہتے؟؟ کیا انتظار کرتے ہیں یہ لوگ اس بات کا کہ آ جائے ان کے پاس خود اللہ ابر کے سائبانوں میں فرشتے ساتھ لئے اور معاملہ چکا دیا جائے؟ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جانے والے ہیں سب معاملات۔

اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ' یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے' وہ تو غفور رحیم ہے۔ پلٹ آؤ اپنے ربّ کی طرف اور مطیع بن جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آ جائے اور پھر کہیں سے تمہیں مدد نہ مل سکے۔ اور پیروی کرو اپنے ربّ کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے: ''افسوس میری اس تقصیر پر جو میں اللہ کی جناب میں کرتا رہا' بلکہ میں تو الٹا مذاق اڑانے والوں میں شامل تھا''۔ یا کہے ''کاش! اللہ نے مجھے ہدایت بخشی ہوتی تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا''۔ یا عذاب دیکھ کر کہے ''کاش! مجھے ایک اور موقع مل جائے اور میں بھی نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں''۔ (اور اس وقت اسے یہ جواب ملے) ''کیوں نہیں' میری آیات تیرے پاس آ چکی تھیں' پھر تو نے

انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا''۔

ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ اس کی قدرت کا عالم تو یہ ہے کہ قیامت کے روز زمین اس کی دائیں مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دستِ راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ زمین اپنے ربّ کے نور سے چمک اٹھے گی۔ جب پھونکا جائے گا صور میں ایک بار اور' اٹھائے جائیں گے زمین اور پہاڑ' پھر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا ایک ہی چوٹ میں سو اس دن برپا ہو جائے گی قیامت۔ اور پھٹ جائے گا آسمان تو ہوگا وہ اس دن بکھرا ہوا اور فرشتے ہوں گے اس کے کنارے پر اٹھائے ہوئے تیرے ربّ کے عرش کو۔ سو جس کو دیا جائے گا اس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں تو وہ کہے گا: آؤ دیکھو! اور پڑھو میرا اعمال نامہ۔ مجھے یقین تھا کہ ضرور واسطہ پڑے گا مجھے اپنے حساب سے۔ اور رہا وہ جس کو دیا جائے گا اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں سو وہ کہے گا: کاش! نہ دیا جاتا مجھے میرا اعمال نامہ۔ اور تم دیکھو گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے اپنے ربّ کی تسبیح کر رہے ہوں گے اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ چکا دیا جائے گا۔ اور پکارا جائے گا ہر طرف کہ حمد ہے اللہ ربّ العالمین کے لئے' حمد ہے اللہ ربّ العالمین کے لئے۔ بڑی برکت والا ہے تیرے ربّ جلیل کا نام۔ پس شروع کرو اللہ کے نام سے اور دوڑو اپنے ربّ کی بنائی ہوئی اس جنت کی طرف جو اہل ایمان کے لئے مہیا کی گئی ہے..... اور بڑائی بیان کرو..... اسی کی بڑائی بیان کرو..... کمال درجے کی بڑائی:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ!!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

غرور و تکبر

تحریر: عظمیٰ اظہر

دین اسلام ایک مکمل دین ہے۔ یہ صرف مذہبی رسومات ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے جس میں ایمانیات' عبادات' معاملات' معاشرت' معیشت اور سیاست سب شامل ہیں۔ ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلامی احکامات پر ذاتی طور پر عمل کرنا اور پھر اسلامی قوانین کو اجتماعی طور پر معاشرہ میں نافذ کرنا ہی دینِ اسلام کا اصل تقاضا ہے۔

اسلام ہماری زندگی میں دین کی جس عمارت کا مطالبہ کرتا ہے اس کی بنیاد ایمان ہی ہے۔ یہی وہ بیج ہے جو دل کی زمین میں اچھی طرح پیوست ہو جائے تو اس کا ظہور ہمارے کردار' ہمارے رویہ اور ہمارے اخلاق سے خود بخود ہو جاتا ہے۔ حسنِ اخلاق کی اسی اہمیت کی وجہ سے قرآن و حدیث میں اخلاقِ حسنہ کو اختیار کرنے اور بداخلاقیوں سے بچنے کی بہت سختی سے تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق جس کے راوی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہیں:

''قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں سب سے بھاری چیز اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔''

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔''

دراصل بعثتِ رسول ﷺ کا ایک اہم مقصد بھی یہی تھا' جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچاؤں۔''

اور پھر اس بات کی تصدیق قرآن نے بھی کی:

﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (القلم:٤)

''بے شک آپؐ اخلاقیات کے اعلیٰ درجہ پر ہیں۔''

اسلام میں حقوق العباد کا درجہ حقوق اللہ سے زیادہ رکھا گیا ہے۔ حقوق العباد کا معاملہ انسانوں کے آپس کے رویوں اور تعلقات میں حسن سلوک پر منحصر ہوتا ہے۔ اصل میں یہ بات انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ تواضع اور انکساری کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور جہاں کہیں بھی اس کو انسانوں کے درمیان خود پسندی' شیخی بگھارنے کا انداز' غرور یا تکبر کے آثار محسوس ہوتے ہیں وہاں فطرتاً دوری اور بیگانگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے حدیث میں آیا: ''اچھی اور میٹھی بات صدقہ ہے۔''

قرآن پاک میں سورۂ لقمان میں حضرت لقمان کی نصیحتیں نقل ہوئی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ آپ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (آیت ۱۸)

''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر اور زمین میں اکڑ کر نہ چل' بے شک اللہ خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔''

دراصل جب انسان کو اپنے آپ کو کچھ سمجھ لینے کا دھوکہ ہو جاتا ہے تو اس کے دل میں بڑائی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ غرور کا مطلب ہی دھوکہ ہے' جیسا کہ قرآن پاک میں آیا:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (الحدید: ۲۰)

''دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔''

تو جب یہ کیفیت دل و دماغ میں پیدا ہو جائے تو پھر اس کا اظہار انسان کی زبان اور اس کی چال سے ہونے لگتا ہے۔ ''مُختال'' سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی دانست میں اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتا ہو' اور ''فَخور'' وہ ہے جو اپنی بڑائی کا دوسروں پر اظہار کرے' جبکہ اللہ کو ایسا کرنے والا شخص شدید ناپسند ہے' کیونکہ اس دنیا میں انسان کی حیثیت تو کچھ بھی نہیں۔ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے ختم ہونے والا ہے' حتیٰ کہ اس کی اپنی زندگی بھی کسی بھی وقت اس سے چھن سکتی ہے۔ وہ تو فانی ہے۔ ایک وقت مقرر پر واپس جا کر اس کو اپنے رب کے حضور حاضری دینی ہے اور یہ سب کچھ اس کے اختیار میں نہیں' بلکہ

سب کا سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ انسان کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے۔ پھر قرآن میں بار ہا انسان کو اس کی پیدائش کے بارے میں بتایا گیا کہ اس کی ابتدا ایک حقیر بوند سے ہوئی ہے۔ سورۂ علق میں آیا:

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ (آیت ۲)

''اس نے انسان کی تخلیق جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے کی۔''

تو پھر آخر کس بات پر انسان بڑائی کر سکتا ہے؟ کس وجہ سے اپنے آپ کو اونچا سمجھ سکتا ہے؟ کس بات کی کبریائی اس کے دل و دماغ میں آ سکتی ہے؟ ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْکِبْرُ رِدَائِیْ ''کبر تو میری چادر ہے۔''

اور ظاہر ہے کہ بڑائی اور کبریائی تو صرف اللہ ہی کو زیب دیتی ہے۔ یہ تو اُسی کا حق ہے۔ وہ الحی القیوم ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں موت و حیات' عزت و دولت سب کچھ ہے۔ جیسا کہ سورۂ جاثیہ میں بیان ہوا:

﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝﴾ (آیت ۳۷)

''اور اسی کے لئے کبریائی ہے آسمانوں اور زمین میں' اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔''

تکبر کا لفظ کبر سے نکلا ہے' یعنی بڑائی یا کبریائی۔ دراصل بڑائی' اکڑ اور غرور کی صفات انسان کی شانِ بندگی کے خلاف ہیں۔ یہ صفات اختیار کرنے سے انسان مقامِ بندگی سے گر جاتا ہے' جبکہ بندۂ مومن تو عاجزی و انکساری اور تواضع و خاکساری کا پیکر ہوتا ہے۔ حضرت عیاض بن حمارؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ نے مجھے حکم بھیجا ہے کہ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے اور نہ ہی کسی کے مقابلے میں فخر کرے۔'' (ابوداؤد)

غرور و تکبر کی حقیقت کو اس حدیث سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے جسے صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا: آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں' تو کیا یہ تکبر ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

''(نہیں' یہ تکبر نہیں) اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ اللہ کے حق بندگی کو ادا نہ کرنا اور اس کے بندوں کو حقیر سمجھنا۔''

گویا اللہ نے دنیا میں جو نعمتیں فراہم کی ہیں وہ بندے ہی کے لئے ہیں اور ان کو استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں' لیکن انسان ان کو اللہ کی طرف سے دیا گیا برتنے کا سامان سمجھے' اپنی ذاتی ملکیت نہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں:

''جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو بشرطیکہ اس میں تکبر اور اسراف نہ ہو۔''

اور جب ایک صحابی حضور ﷺ کے پاس خراب حلیہ میں آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ نے بندے کو جتنا دیا ہے اس کا اظہار اس کے لباس سے ہونا چاہئے۔'' (مفہوم)

معلوم ہوا کہ تکبر نعمتوں کو استعمال کرنے میں نہیں بلکہ اُن کی حقیقت سے واقف نہ ہونے میں ہے۔ چنانچہ درج ذیل دو کیفیات تکبر کی مظہر ہیں:

۱) اللہ کا حق بندگی ادا نہ کرنا۔ ۲) دوسروں کو حقیر جاننا۔

حق بندگی نہ ادا کرنا

سورۃ السجدۃ کی آیت ۳۲ میں ارشاد ہوا:

﴿اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ (آیت سجدہ)

''ہماری آیات پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں جب کبھی ان (آیات) سے نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔''

گویا مومن تو ہر وقت عاجزی اور خشوع و خضوع کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اللہ کا فرمانبردار بندہ ہونے کی وجہ سے اللہ کی عبادت یا بندگی کے جو بھی تقاضے ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کو اپنی شان سے گری ہوئی بات نہیں سمجھتا بلکہ پوری طرح مطیع و فرمانبردار بن کر رہتا ہے۔

دراصل قبولِ حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ انسان کا اپنا نفس ہوتا ہے۔

اس کی انا اطاعتِ ربّ کی راہ میں آڑے آتی ہے۔ وہ دنیاوی مفادات کو قربان نہیں کر پاتا اور اسی وجہ سے تکبر کا وصف اسے کفر کی راہ پر لے جاتا ہے۔ روزِ قیامت متکبرین کو کہا جائے گا:

﴿بَلٰی قَدْ جَآءَتْکَ اٰیٰتِیْ فَکَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَکْبَرْتَ وَکُنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ (الزمر : ۵۹)

''کیوں نہیں' میری آیات تیرے پاس آ چکی تھیں' پھر تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا۔''

حقیقتاً تمام کافروں اور اہل باطل کا رویہ یہی رہا ہے۔ اللہ نے ان تک اپنے رسولوں کے ذریعے تعلیمات پہنچا کر حجت پوری کر دی لیکن انہوں نے محض اپنے تکبر کی وجہ سے حق کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے گریز کیا۔ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ فرعون پر بھی حق ظاہر ہو گیا تھا' مگر وہ اپنی بادشاہت' حیثیت اور مفادات کی وجہ سے حق کی راہ سے دور رہا' کیونکہ وہ اپنی انا اور تکبر پر جما رہا۔ کفار مکہ کا بھی یہی حال تھا۔ جب ابوجہل سے پوچھا گیا کہ کیا تم نہیں مانتے ہو کہ محمدؐ سچے ہیں؟ تو اُس نے کہا: ''ہاں میں مانتا ہوں۔ انہوں نے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔'' کہا گیا کہ پھر ان کو اللہ کا رسول کیوں نہیں مانتے؟ اس نے جواب دیا: ''ہم اور بنی ہاشم ہم پلہ ہیں۔ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں' وہ بھی کرتے ہیں۔ ہم ان کو پانی پلاتے ہیں' وہ بھی پلاتے ہیں۔ اب اگر ہم نے محمد ﷺ کو نبی مان لیا تو ہمیں ان کی اطاعت کرنی پڑے گی اور ان کی برتری تسلیم کرنی پڑے گی۔''

گویا کفر کا سبب اور حق سے دوری کی وجہ تکبر ہی ہوتا ہے۔ سورۃ المومن کی ۳۵ ویں آیت میں فرمایا گیا:

﴿کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾

''اسی طرح اللہ ہر تکبر کرنے والے اور جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''

یہ لعنت کی مہر بلاوجہ نہیں لگائی جاتی' بلکہ اس شخص کے لئے ہے جو حق کے آگے سر جھکانے اور شریعت کی پابندیاں قبول کرنے کو اپنی حیثیت سے گری ہوئی بات سمجھتا

ہے اور اپنے رویہ پر فخر کرتا ہے۔

تکبر کا دوسرا پہلو: لوگوں کو حقیر جاننا

درحقیقت جب انسان اللہ کے احکامات کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ اللہ کے سامنے اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے اور پھر اسی کیفیت کے تحت وہ دوسرے انسانوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، جب کہ حدیث شریف میں آیا:

''آدمی کے بُرا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔''

اور آج ہمارے معاشرہ میں کبر کا یہ پہلو رچا بسا ہوا ہے۔ ہمارے تعلقات کی بنیاد اللہ کے دین پر نہیں بلکہ خاندان، زبان اور وطن کی بنیاد پر ہے۔ مسلم اُمت کا تصور کہیں نظر نہیں آتا۔ ہم اپنے درمیان قبیلہ، رنگت اور علاقہ کی بنیاد پر امتیاز کرتے ہیں اور یہ بات تکبر کی طرف لے جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

حضور ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا:

''کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ ہاں بنائے فضیلت اگر ہے تو وہ تقویٰ ہے۔''

اس طرح حضور ﷺ نے جاہلانہ عصبیت کا قلع قمع کرتے ہوئے اسلامی اخوت و محبت کی بنیاد ڈالی اور شخصی غرور و تکبر کا خاتمہ فرمایا۔

اہل عرب حبشیوں کو اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے ایک مرتبہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا: ''اے کالی ماں کے بچے!'' حضور ﷺ نے سنا تو فرمایا: ''عمر! تم میں ابھی تک جاہلیت موجود ہے۔'' حضرت عمرؓ نے شرمسار ہو کر اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا اور کہا ''جب تک بلال مجھے پاؤں سے نہیں روندیں گے میں نہیں اٹھوں گا۔'' حضرت بلالؓ نے بہت معاف کیا مگر وہ نہ مانے۔ اور پھر حضرت عمرؓ زندگی بھر بلالؓ کو ''سیدنا بلال'' کہتے رہے۔ سو جو شخص بھی اپنے آپ کو کچھ سمجھ کر دوسروں کو گھٹیا اور حقیر سمجھے، وہ متکبر ہے۔

تکبر ابلیس کا وصف امتیازی ہے۔ اس نے اللہ کے ربّ ہونے سے انکار نہیں کیا تھا مگر اپنے تکبر کی وجہ سے اللہ کا آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا:

﴿اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ (آیت ۳۴)

''اس نے جھٹلایا اور تکبر کیا اور وہ کافر (نافرمان) ہو گیا۔''

اسی وجہ سے قرآن و حدیث میں متکبرین کے لئے انتہائی سخت وعید آئی ہے۔

انسان کبر و غرور کا دعویدار ہو کر اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے اور اللہ کا حریف بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سنگین جرم کے باعث وہ قرآن کے مطابق مجرم قرار پاتا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ﴾ (المومن: ٦)

''بے شک وہ لوگ جو گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَفَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَاسْتَکْبَرْتُمْ وَکُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ﴾ (الجاثیہ: ۳۱)

''اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا ان سے کہا جائے گا: کیا میری آیات تم کو سنائی نہ جاتی تھیں؟ مگر تم نے تکبر کیا اور مجرم بن گئے۔''

﴿فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ﴾ (الاحقاف: ۲۰)

''جو تکبر تم زمین میں کسی حق کے بغیر کرتے رہے اور جو نافرمانیاں تم نے کیں ان کی پاداش میں آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔''

﴿قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ (الزمر: ۷۲)

''ان سے کہا جائے گا: داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں سے۔ تمہیں اب یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے اب متکبروں کے لئے۔''

اس ضمن میں دو احادیث نبویہ بھی ملاحظہ کر لی جائیں:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ)) (صحیح مسلم)

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا۔''

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ)) (صحیح بخاری)

''کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو، متکبر شخص!''

گویا غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے محروم کرنے والی اور دوزخ میں پہنچانے والی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔ اگر تکبر کا کوئی بھی پہلو اور حدیث کے مطابق ذرہ برابر تکبر بھی ہماری شخصیت کے اندر باقی رہ گیا تو بندگی کے تقاضے پورے نہیں ہو سکیں گے۔ ہم میں سے ہر ایک کو آج یہ سوچنا ہے کہ کہیں ہم کسی بھی حکم الٰہی کی نافرمانی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے یا کسی بھی صورت میں کسی دوسرے مسلمان بھائی کا مذاق اڑا کر دل سے یا زبان سے اس کی تضحیک تو نہیں کر رہے! اگر خدانخواستہ ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم دوسروں کے مقابلہ میں اور اللہ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو اونچا سمجھتے ہیں اور یہی دھوکہ دراصل تکبر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو تمام اخلاق رذیلہ سے محفوظ فرمائے اور تمام اخلاقِ حسنہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!!

اے ربّ! مجھے توفیق دے کہ میں ایسا نیک عمل کروں جس سے تُو راضی ہو۔ آمین!

مسلمان کا طرزِ حیات (۲۸)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب الآداب

ساتواں باب

دوستی اور دشمنی کے آداب

مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کی دوستی اور دشمنی محض اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ کیونکہ مؤمن کو وہی چیز پسند ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں پسندیدہ ہے اور اسے وہی چیز ناپسند ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں ناپسندیدہ ہے۔ اس لیے وہ جس کام اور جس شخص کو پسند کرتا ہے اس کی محبت کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہوتی ہے اور جس کام سے نفرت اور جس شخص سے عداوت رکھتا ہے اس کی اس نفرت و عداوت کی وجہ بھی اس کے دل میں جاگزیں اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول ﷺ کی محبت ہی ہوتی ہے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے :

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ)) (۱)

"جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے بغض رکھا، اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روک رکھا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا"۔

چنانچہ مسلمان اللہ کے تمام نیک بندوں سے محبت اور دوستی رکھتا ہے اور اللہ کے تمام فاسق اور نافرمان بندوں سے نفرت اور دشمنی رکھتا ہے۔ اس کے باوجود یہ بھی ممکن ہے کہ بعض افراد سے اس کی محبت اور دوستی دوسروں کی نسبت زیادہ ہو جنہیں اس کے

خاص اور گہرے دوست کہا جا سکے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ نے نیک دوست اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ارشاد ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ اِلْفٌ مَأْلُوْفٌ وَلاَ خَيْرَ فِيْمَنْ لاَ يَأْلَفُ وَلاَ يُؤْلَفُ)) (۲)

"مؤمن انس رکھنے والا ہوتا ہے اور دوسرے اس سے انس و محبت رکھتے ہیں۔ اور اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو کسی سے انس نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی انس رکھتا ہو"۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ حَوْلَ الْعَرْشِ مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَلَيْهَا قَوْمٌ لِبَاسُهُمْ نُوْرٌ' وَوُجُوْهُهُمْ نُوْرٌ' لَيْسُوْا بِاَنْبِيَاءَ وَلاَ شُهَدَاءَ' يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ)) فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! صِفْهُمْ لَنَا' فَقَالَ: ((اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ' وَالْمُتَجَالِسُوْنَ فِي اللّٰهِ' وَالْمُتَزَاوِرُوْنَ فِي اللّٰهِ)) (۳)

"عرش کے ارد گرد نور کے منبر ہوں گے' ان پر ایسے افراد فروکش ہوں گے جن کا لباس بھی نورانی ہوگا اور چہرے بھی نورانی ہوں گے۔ وہ نہ نبی ہوں گے نہ شہید' لیکن نبی اور شہید بھی ان پر رشک کریں گے"۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول' ہمیں ان کے اوصاف بتا دیجئے۔ ارشاد فرمایا: "وہ اللہ کے لیے محبت کرنے والے' اللہ کے لیے مل بیٹھنے والے اور اللہ کے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرنے والے ہوں گے"۔

ارشادِ نبوی ہے کہ:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ : حَقَّتْ مَحَبَّتِيْ لِلَّذِيْنَ يَتَزَاوَرُوْنَ مِنْ اَجْلِيْ' وَحَقَّتْ مَحَبَّتِيْ لِلَّذِيْنَ يَتَنَاصَرُوْنَ مِنْ اَجْلِيْ)) (۴)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "میری محبت ان لوگوں کے لیے یقینی ہے جو صرف میرے لیے ایک دوسرے کو ملنے جاتے ہیں' اور میری محبت ان لوگوں کے لیے یقینی ہے جو صرف میرے لیے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں"۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لاَ ظِلَّ اِلاَّ ظِلُّهُ : اِمَامٌ عَادِلٌ' وَشَابٌّ نَشَاَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى' وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ

مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ فَاجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ تَعَالٰى، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ)) (۵)

"سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا: انصاف کرنے والا حکمران، وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں پلا بڑھا، وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو دوبارہ مسجد میں آنے تک اس کا دل مسجد میں ہی اٹکا رہتا ہے، اور وہ دو آدمی جو اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں، اسی لیے آپس میں ملتے ہیں اور اسی حالت میں جدا ہوتے ہیں، اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں، اور وہ آدمی جسے حسب نسب اور حسن و جمال والی عورت نے (گناہ کی طرف) بلایا تو اس نے کہہ دیا: "میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں" اور وہ آدمی جو صدقہ دیتا ہے تو اسے چھپاتا ہے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہیں ہوتا کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے"۔

ایک دفعہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے سابقہ امتوں میں سے کسی شخص کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَّهُ فِي اللّٰهِ فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهُ مَلَكًا، قَالَ: اَيْنَ تُرِيْدُ؟ فَقَالَ: اُرِيْدُ اَنْ اَزُوْرَ اَخِيْ فُلَانًا، فَقَالَ: لِحَاجَةٍ لَكَ عِنْدَهُ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: لِقَرَابَةٍ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَبِنِعْمَةٍ لَكَ عِنْدَهُ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَبِمَ؟ قَالَ: اُحِبُّهُ فِي اللّٰهِ، قَالَ: فَاِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَنِيْ اِلَيْكَ اُخْبِرُكَ بِاَنَّهُ يُحِبُّكَ لِحُبِّكَ اِيَّاهُ، وَقَدْ اَوْجَبَ لَكَ الْجَنَّةَ)) (۶)

"ایک آدمی اپنے ایک بھائی کی ملاقات کو گیا جو صرف اللہ کی محبت کی بناء پر اس کا بھائی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ اس کے انتظار میں (راستے میں) ٹھہرا دیا۔ فرشتے نے اس سے پوچھا: "آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے کہا: "میں اپنے فلاں بھائی سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں"۔ اس نے کہا: "کیا آپ کو اس سے کوئی کام ہے؟" اس نے کہا: "نہیں"۔ فرشتے نے کہا: "کیا آپ کا اس سے کوئی قرابت داری کا تعلق ہے؟" اس نے کہا: "نہیں"۔ فرشتے نے پوچھا: "کیا اس نے آپ پر کوئی احسان کیا

ہے اس لیے جارہے ہیں؟" اس نے کہا: "نہیں"۔ فرشتے نے کہا: "پھر کس لیے (جارہے ہیں)؟" اس نے کہا: "میں اس سے اللہ کے لیے محبت رکھتا ہوں"۔ فرشتے نے کہا: "تو اللہ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ آپ کو بتادوں کہ اس محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی آپ سے محبت رکھتا ہے اور اس نے آپ کے لیے جنت واجب کردی ہے"۔

اس اخوت کی شرط یہ ہے کہ یہ محض اللہ کے لیے ہو' اس میں دنیا کی کسی غرض اور مادی تعلقات کا شائبہ بھی نہ ہو۔ اور اس محبت کی وجہ محض اللہ پر ایمان ہو اور بس۔

اس اخوت کے آداب یہ ہیں کہ جس شخص کو آپ اللہ کی رضا کے لیے اپنا بھائی بنانا چاہتے ہیں اس میں مندرجہ ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:

① وہ عقل مند ہو۔ اس لئے کہ احمق کی دوستی اور صحبت کا کوئی فائدہ نہیں' کیونکہ بعض اوقات جاہل احمق آدمی اپنے خیال میں دوست کا بھلا کرنا چاہتا ہے لیکن اسے نقصان پہنچا بیٹھتا ہے۔

② اچھے اخلاق والا ہو۔ بُری عادات کا حامل اگرچہ عقل مند ہو لیکن ممکن ہے کہ اس پر نفسانی خواہشات غالب آجائیں یا اس پر غصہ قابو پالے اور وہ اپنے دوست کو نقصان پہنچادے۔

③ متقی ہو۔ کیونکہ جو فاسق آدمی اللہ کا نافرمان ہے' اس سے ہمیشہ برائی کا خدشہ رہتا ہے۔ ممکن ہے وہ اپنے دوست کے خلاف کسی جرم کا ارتکاب کرلے اور اخوت وغیرہ کا بالکل لحاظ نہ کرے۔ کیونکہ جو اللہ سے بھی نہیں ڈرتا وہ کسی اور سے کیا ڈرے گا؟

④ کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ ﷺ کا متبع ہو' خرافات و بدعات سے پرہیز کرنے والا ہو۔ کیونکہ بدعتی کی نحوست اس کے ہم نشین پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ خواہش نفس کے بندے اور بدعتی آدمی سے قطع تعلق کرنا لازم ہے تو پھر ایسے شخص کو دوست کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟

ایک نیک آدمی نے دوست کے انتخاب سے متعلق ان آداب کو اختصار سے بیان کیا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بیٹا! جب تجھے لوگوں سے ہم نشینی اختیار کرنی پڑے تو ایسے شخص کو دوست بنا کہ جب

تو اس کی خدمت کرے وہ تیری حفاظت کرے' اور جب تو اس کی صحبت میں بیٹھے تو اس کی ہم نشینی تیرے لیے باعث زینت ہو' اگر تیرا ہاتھ تنگ ہو تو وہ تیری کفالت کرے۔ ایسے شخص کو دوست بنانا کہ جب تو کسی نیک کام میں ہاتھ ڈالے تو وہ بھی تعاون کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ اور اگر وہ تجھ میں کوئی خیر دیکھے تو اسے شمار کرے' اور اگر تم میں کوئی برائی دیکھے تو اس کی اصلاح کرے۔ ایسے شخص کو دوست بنانا کہ اگر تو اس سے مانگے تو وہ دے اور اگر تو خاموش رہے تو وہ خود ہی دے دے۔ اور اگر تجھ پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ تیری دل جوئی کرے۔ ایسے شخص کو دوست بنانا کہ جب تو بات کرے تو وہ تیری بات پر اعتبار کرے' اور اگر تم دونوں مل کر کوئی کام کرنا چاہو تو وہ کام سنوارے' اور اگر تم دونوں میں کوئی اختلاف ہو جائے تو وہ اپنی ذات پر تجھے ترجیح دے۔"

دینی بھائی کے حقوق

اللہ کی محبت کی بنا پر اخوت کا جو رشتہ استوار ہوتا ہے اس کے بعض حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

① مالی امداد: اگر کسی ایک بھائی کو مالی امداد کی ضرورت ہو تو دوسرے کو چاہیئے کہ اس کی اس طرح مدد کرے کہ گویا دونوں کے درہم و دینار مشترک ہیں اور دونوں اس مال کے برابر مالک ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا: "میں اللہ کے لیے آپ کا بھائی بننا چاہتا ہوں۔" انہوں نے فرمایا: "جانتے بھی ہو کہ اس اخوت کے حقوق کیا ہیں؟" اس نے کہا: "جناب بتا دیجئے!" فرمایا: "اس اخوت کا یہ حق ہے کہ تیرے درہم و دینار پر تیرا حق مجھ سے زیادہ نہ ہو"۔ اس نے کہا: "میں ابھی اس مقام تک نہیں پہنچا"۔ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تو پھر تشریف لے جایئے۔"

② دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی مدد کرے' اس کی ضروریات پوری کرے' بلکہ اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات سے زیادہ اہم سمجھے۔ اس کے حالات کا اس طرح جائزہ لیتا رہے جس طرح اپنے حالات کا خیال رکھتا ہے۔ اسے اپنی جان سے اور اپنے اہل و عیال سے زیادہ اہمیت دے۔ ہر تین دن بعد اس کے حالات کا پتہ کرے۔ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے' اگر وہ کسی کام میں مشغول ہو تو اس کی مدد کرے۔ جب

وہ آئے اسے خوش آمدید کہے' جب وہ بیٹھے اسے کھلی جگہ میں بٹھائے' جب وہ بات کرے تو توجہ سے اس کی بات سنے۔

④ اس کے متعلق صرف اچھی بات زبان سے نکالے۔ اس کی موجودگی یا غیر موجودگی میں اس کے کسی عیب کا تذکرہ نہ کرے' اس کے راز معلوم کرنے کی کوشش نہ کرے' اس کے دل کی پوشیدہ کیفیات معلوم کرنے کے درپے نہ ہو' اگر اپنے کسی کام سے جاتے ہوئے راستے میں اس سے ملاقات ہو جائے تو خود ہی اپنی حاجت کا ذکر نہ چھیڑ دے۔ اچھے کام کی ترغیب دلانے میں یا بُرے کام سے روکنے کے لیے لطیف انداز اختیار کرے' باتیں کرتے ہوئے اس سے مت الجھے اور حق یا ناحق اس سے جھگڑا نہ کرے۔ کسی چیز کے متعلق اس پر عتاب نہ کرے اور نہ اس سے کسی کام کی وجہ سے ناراض ہو۔

④ زبان سے متعلق معاملات میں اس سے وہی سلوک کرے جو اس کا سلوک اپنے لیے چاہتا ہے۔ اسے اس نام سے پکارے جو اسے زیادہ پسند ہو۔ اس کی موجودگی میں بھی اور غیر موجودگی میں بھی اس کا ذکر بھلائی سے کرے۔ اگر لوگ اس کی تعریف کریں تو اسے بتادے' اور اس بات پر خوشی کا اظہار کرے۔ اسے اتنی لمبی چوڑی نصیحتیں نہ کرے کہ وہ تنگ آجائے۔ لوگوں کے سامنے اسے نصیحت کرکے اس کی رسوائی کا باعث نہ بنے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "جس نے اپنے بھائی کو تنہائی میں نصیحت کی اس نے اس کی خیرخواہی کی اور اس کی زینت کا باعث بنا۔ اور جس نے سرعام نصیحت کی اس نے اسے رسوا کیا اور اس کے عیب کا باعث بنا۔"

⑤ اس کی لغزشوں سے درگزر کرے' اس کی غلطیاں نظرانداز کردے۔ اگر وہ خفیہ طور پر یا اعلانیہ کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو اس سے دوستی کا تعلق ختم نہ کرے' بلکہ اس کی توبہ کا انتظار کرے۔ اگر وہ گناہ پر مصر ہو پھر اسے حق ہے کہ چاہے اس سے تعلقات ختم کرلے' چاہے دوستی قائم رکھ کر وعظ و نصیحت کرتا رہے اور اس کی توبہ کی امید رکھے۔ شاید وہ توبہ کرے اور اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "جب تیرے بھائی کی حالت تبدیل ہو جائے اور پہلے والی حالت نہ رہے تو اس وجہ سے اسے چھوڑ نہ دینا' کیونکہ تیرا بھائی ایک بار ٹیڑھے راستے پر چلے گا تو دوسری بار سیدھے راستے پر بھی چلے گا۔"

⑥ اخوت کے تعلق میں وفاداری پر عمل کرے اور اس تعلق کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے' کیونکہ اس تعلق کو ختم کرنے سے اس کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر وہ فوت ہو جائے تو اخوت کو قائم رکھنے کے لئے اور بھائی سے وفا کرتے ہوئے اس کی اولاد اور دوستوں سے محبت رکھے۔ ایک بار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک معمر خاتون حاضر ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان کی عزت افزائی فرمائی۔ حضور علیہ السلام سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا:

((اِنَّهَا كَانَتْ تَاْتِيْنَا اَيَّامَ خَدِيْجَةَ' وَاِنَّ كَرَمَ الْعَهْدِ مِنَ الدِّيْنِ)) (۷)

"یہ عورت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے دور میں بھی ہمارے گھر میں آیا کرتی تھیں۔ اور سابقہ تعلقات کا خیال رکھنا بھی دین میں سے ہے"۔

وفا میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دوست کے دشمن سے دوستی نہ کی جائے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: "جب تیرا دوست تیرے دشمن کی بات مانے تو وہ دونوں تیری دشمنی میں شریک ہو گئے۔"

⑦ اس سے ایسا مطالبہ نہ کرے جسے پورا کرنا اس کے لیے دشوار ہو۔ اس پر ایسی ذمہ داری نہ ڈالے جسے وہ خوشی سے انجام نہ دے سکے۔ یعنی جاہ و مال کے حصول میں اس سے مدد لینے کی کوشش نہ کرے' اور اس کے ذمہ اپنے ذاتی کاموں کی انجام دہی نہ لگائے' کیونکہ یہ اخوت محض اللہ کے لیے ہے تو اسے کسی دُنیوی فائدہ کے حصول یا دُنیوی نقصان سے بچانے کے لیے استعمال کرنا مناسب نہیں۔ نہ اسے تکلف پر مجبور کرے نہ خود تکلف سے کام لے' کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اخوت میں خلل آتا ہے اور اس کے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو جاتی ہے' لہٰذا باہمی تعلقات میں تکلف کی بساط لپیٹ دینی چاہیئے' کیونکہ اس سے دل میں وحشت اور بیگانگی پیدا ہوتی ہے جو محبت اور الفت کے منافی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے:

((اَنَا وَاَتْقِيَاءُ اُمَّتِيْ بُرَآءُ مِنَ التَّكَلُّفِ)) (۸)

"میں اور میری امت کے نیک لوگ تکلف سے بری ہیں"۔

کسی بزرگ کا قول ہے: "جس کا تکلف ختم ہو جاتا ہے اس کی محبت دائمی ہو جاتی ہے اور جس کی وجہ سے خرچ کم ہوتا ہے اس کی محبت ہمیشہ رہتی ہے"۔ باہمی تکلف ختم ہو کر یک جان دو قالب ہونے کی دلیل چار چیزیں ہیں: دوست کے گھر میں کھانا کھائے' اس کا بیت الخلاء

استعمال کرے' اس کے پاس نماز پڑھے اور اس کے پاس سو جائے۔ جب یہ کام کرلے گا تو اخوت مکمل ہوگی اور غلط قسم کی عزتِ نفس کا احساس ختم ہو جائے گا جس کی وجہ سے بیگانگی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح انس حاصل ہو جائے گا اور صحیح دلی مسرت ملے گی۔

⑧ جتنی بہترین دعا وہ اپنے لیے' اپنی اولاد اور تعلق داروں کے لیے کرتا ہے ویسی ہی دوست کے لیے' اس کی اولاد کے لیے اور اس کے تعلق داروں کے لیے بھی کرے۔ کیونکہ ان کے باہمی تعلق اخوت کا تقاضا ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہ رہے۔ لہٰذا اپنے دوست کی زندگی میں بھی' اس کی وفات کے بعد بھی' اس کی موجودگی میں بھی اور اس کی غیر حاضری میں بھی اس کے لیے دعا کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِاَخِیْهِ فِیْ ظَهْرِ الْغَیْبِ' قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ مِثْلُ ذٰلِكَ)) (۹)

"جب کوئی شخص اپنے بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: اور تجھے بھی یہی کچھ ملے"۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: "نیک بھائی جیسی کوئی نعمت کہاں مل سکتی ہے؟ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے گھر والے اور رشتہ دار اس کا ترکہ تقسیم کر لیتے ہیں اور جو کچھ وہ چھوڑ گیا ہے اس سے مزے اڑاتے ہیں۔ اور نیک دوست اکیلا ہی اس کے لیے فکر مند ہوتا ہے' اسے اپنے بھائی کے اگلے مرحلے کی فکر ہوتی ہے جہاں وہ پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے لیے رات کی تاریکیوں میں دعائیں مانگتا ہے اور اس کے لیے اللہ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہے' حالانکہ وہ مٹی کے نیچے جا پہنچا ہوتا ہے۔"

کتاب الآداب

آٹھواں باب

مجلس کے آداب

مسلمان کی پوری زندگی اسلامی اندازِ حیات کے تابع ہوتی ہے' جس کا دائرہ کار مسلمان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس میں بیٹھنے اور مجلس کے آداب بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے میں مسلمان کو مندرجہ ذیل آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔

① جب کسی محفل میں بیٹھنا چاہے تو پہلے اہل مجلس کو سلام کرے پھر جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جائے۔ پہلے سے بیٹھے ہوئے کسی شخص کو اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھ جائے۔ دو شخص اکیلے بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان نہ بیٹھے' البتہ ان کی اجازت سے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا يُقِيمَنَّ اَحَدُكُمْ رَجُلاً مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ' وَلٰكِنْ تَوَسَّعُوْا اَوْ تَفَسَّحُوْا)) (۱)

"تم میں سے کوئی بھی کسی آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں نہ بیٹھے' لیکن گنجائش پیدا کرو اور کھل کے بیٹھ جایا کرو"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ اگر کوئی شخص اٹھ کر انہیں اپنی جگہ پیش کرتا تو آپؓ وہاں نہیں بیٹھتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہم جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو مجلس کے آخر میں بیٹھ جایا کرتے تھے"۔ (۲) جنابِ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا)) (۳)

"کسی آدمی کے لیے حلال نہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان (بیٹھ کر ان میں) تفریق کردے' الّا یہ کہ ان دونوں کی اجازت سے ہو"۔

② اگر کوئی شخص (کسی وجہ سے) مجلس سے اٹھ جائے اور پھر واپس آجائے تو وہ اپنی پہلی جگہ پر بیٹھنے کا حق رکھتا ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَجْلِسٍ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ)) (۴)

"جب تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے اٹھے' پھر وہاں واپس آئے' تو وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے"۔

③ حلقہ کے وسط میں نہ بیٹھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: اِنَّ الرَّسُوْلَ ﷺ لَعَنَ مَنْ جَلَسَ فِيْ وَسَطِ الْحَلْقَةِ (۵) "رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی جو حلقہ کے درمیان بیٹھے"۔

④ جب بیٹھے تو مندرجہ ذیل آداب کا خیال رکھے: وقار اور سکون سے بیٹھے' انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے' داڑھی یا انگوٹھی وغیرہ سے نہ کھیلے' دانتوں میں خلال نہ

کرے' ناک میں انگلی نہ ڈالے' بار بار نہ تھوکے' بار بار چھینکنے یا جمائی لینے سے پرہیز کرے' اطمینان سے بیٹھے' حرکات کم کرے۔ کلام مرتب اور متوازن ہو' جب بات کرے تو حتی الوسع صحیح بات بتائے' زیادہ باتیں نہ کرے' ہنسی مذاق اور جھگڑے سے بچے' اپنے گھر والوں یا اولاد یا کاروبار سے متعلق بات کرتے ہوئے ان کی بہت زیادہ تعریف نہ کرے' مادی پیداوار یا ادبی تخلیقات ـــــ مثلاً شاعری یا تصنیف شدہ کتاب ـــــ کے متعلق فخر کا اظہار نہ کرے۔ جب دوسرا آدمی بات کرے تو اس کی بات توجہ سے سنے۔ بات کرنے والے کی بات پر غیر ضروری حد تک تعجب یا پسندیدگی کا اظہار نہ کرے' اس کی بات نہ کاٹے نہ اس سے اپنی بات دہرانے کو کہے' کیونکہ یہ چیز بات کرنے والے کو ناگوار گزرتی ہے۔

مسلم ان آداب کو دو وجوہات سے ملحوظ رکھتا ہے۔ ایک اس لیے کہ اس کی کسی حرکت سے مسلمان کو ذہنی تکلیف نہ پہنچے' کیونکہ مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے اور:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ)) (۶)

"مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں"۔

دوسرے اس لیے کہ اسے اپنے بھائیوں کی محبت اور الفت حاصل ہو' کیونکہ شارع علیہ السلام نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ پیار اور محبت سے رہنے کا حکم دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔

⑤ اگر راستے میں بیٹھنا پڑے تو مندرجہ ذیل آداب پر عمل کرے:

۱۔ نظر نیچی رکھے' کسی راہ چلتی خاتون کو نظریں جما کر نہ دیکھے' نہ اپنے گھر کے دروازے میں کھڑی عورت کو جھانکے' نہ کسی ایسی عورت کی طرف نظر اٹھائے جو اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے گھر کی بالکونی میں کھڑی ہے یا کھڑکی سے جھانک رہی ہے' نہ حسد کے جذبات رکھتے ہوئے کسی کو دیکھے نہ کسی پر حقارت کی نگاہ ڈالے۔

۲۔ راستے سے گزرنے والوں کو تکلیف نہ دے۔ نہ گالی گلوچ' عیب گیری اور بدزبانی کر کے اپنی زبان سے کسی کو تکلیف دے نہ مار پیٹ' چھین جھپٹ اور غصب وغیرہ کی حرکتیں کر کے اپنے ہاتھ سے کسی کو ایذا پہنچائے۔ نہ راستہ چلنے والوں کے لیے رکاوٹ پیدا کرے نہ لوٹ مار کرے۔

۳۔ گزرنے والے میں سے جو شخص بھی اسے سلام کہے اس کا جواب دے، کیونکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ﴾

(النِّساء: ۸۶)

"جب تمہیں سلام کہا جائے تو اس سے بہتر سلام کہو یا اسی کو لوٹا دو۔"

۴۔ اگر وہ دیکھے کہ کسی نیکی کے کام کو ترک کیا جا رہا ہے تو اس نیکی کی ترغیب دلائے، کیونکہ اس وقت اس پر امر بالمعروف فوری طور پر واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ فریضہ اس کے ذمہ سے اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا جب تک اسے ادا نہ کر دے۔ مثلاً نماز کے لیے اذان ہو جائے اور مجلس میں موجود لوگ نماز کے لیے نہ اٹھیں تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ انہیں نماز کی ادائیگی کے لیے کہے۔ کیونکہ یہ نیکی ہے جسے ترک کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا حکم دے۔ اسی طرح اگر وہاں سے کوئی بھوکا یا ننگا آدمی گزرتا ہے تو اگر وہ طاقت رکھتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے، ورنہ کسی کو کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے کے لیے کہے۔ کیونکہ بھوکے کو کھانا کھلانا اور ننگے کو کپڑے پہنانا ایک نیکی ہے۔ جب اس پر عمل نہ ہو رہا ہو تو ضروری ہے کہ لوگوں کو اس کا حکم دیا جائے۔

۵۔ اس کی نظروں کے سامنے جو بُرا کام ہو رہا ہو اس سے منع کرے، کیونکہ برائی سے روکنا بھی مسلمان کا اسی طرح فرض ہے جس طرح نیکی کا حکم دینا۔ کیونکہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ)) (۷)

"تم میں سے جو شخص بھی برائی کو دیکھے اسے ختم کر دے"۔

مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے پر زیادتی کرتے ہوئے اسے پیٹ رہا ہے، یا اس کا مال چھین رہا ہے، تو اس کے لیے فوراً ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس ظلم و زیادتی کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔

۶۔ اگر کوئی شخص راستہ بھول جائے تو اسے راستہ بتائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کا گھر تلاش کر رہا ہو، یا کسی راستہ کے متعلق اس سے معلوم کرے، یا کسی شخص سے ملنا چاہتا ہو تو راستے میں بیٹھنے والے کا فرض ہے کہ اسے مطلوبہ گھر کا پتہ بتائے اور صحیح راستے

کی نشان دہی کرے اور جس شخص کے متعلق وہ معلوم کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق اسے معلومات فراہم کرے۔

یہ سب راستے میں بیٹھنے کے آداب ہیں' خواہ کوئی شخص اپنے گھر کے سامنے گلی میں بیٹھا ہو' یا دکان اور ہوٹل میں بیٹھا ہو' یا کسی پارک اور باغ میں ہو۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا: ((اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَی الطُّرُقَاتِ)) "راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو"۔ انہوں نے عرض کیا: "یہ ہماری ضرورت ہے۔ ہمارے بیٹھنے کی یہی جگہیں ہیں جہاں پر ایک دوسرے سے بات چیت کر لیتے ہیں"۔ ارشاد ہوا: ((فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجَالِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّهَا)) "اگر تمہیں ضرور بیٹھنا ہی ہے تو پھر راستے کو اس کا حق دو"۔ انہوں نے کہا: "راستے کا حق کیا ہے؟" جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ' وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ)) وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ زِیَادَةٌ: ((وَاِرْشَادُ الضَّالِّ)) "نظر نیچی رکھنا' کسی کو تنگ کرنے سے اجتناب کرنا' سلام کا جواب دینا' بھلی بات کا حکم دینا اور بری بات سے منع کرنا"۔ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں: "راہ بھولنے والے کی رہنمائی کرنا"۔ (۸)

آدابِ مجلس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جب مجلس سے اٹھے تو اللہ سے ان گناہوں کی معافی مانگے جو ممکن ہے کہ اس سے اس مجلس میں ہو گئے ہوں۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ جب مجلس سے اٹھنا چاہتے تو فرماتے: ((سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ)) "اے اللہ! میں تیری تسبیح اور تعریف کرتا ہوں' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں"۔ آنحضور علیہ السلام سے اس سے متعلق عرض کی گئی تو ارشاد ہوا: ((اِنَّهَا کَفَّارَةٌ لِّمَا یَکُوْنُ فِی الْمَجْلِسِ)) (۹) "مجلس میں جو کچھ ہو جاتا ہے یہ دعا اس کا کفارہ بن جاتی ہے"۔

حواشی

باب ۷:

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب السنة' باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه۔ وجامع الترمذی' کتاب القیامة' آخری باب۔

(۲) مسند احمد' ج۵' ص ۳۳۵ (نحوہ)۔ طبرانی۔ مستدرك حاکم۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۳) سنن النسائی۔ وجامع الترمذی' کتاب الزهد' باب ما جاء فی الحب فی اللّٰه (مختصراً) اس کی سند صحیح ہے۔

(۴) مسند احمد' ج۴' ص ۳۸۶۔ اس حدیث میں بعض دیگر اعمال کا بھی ذکر ہے۔ مستدرك حاکم۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۵) صحیح البخاری' کتاب الزکاة' باب الصدقة بالیمین۔

(۶) حدیث کے یہ الفاظ امام غزالیؒ کی کتاب "احیاء العلوم" سے نقل کئے گئے ہیں۔ صحیح مسلم میں یہ واقعہ اختصار سے بیان ہوا ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم' کتاب البر' باب فضل الحب فی اللّٰه تعالٰی۔ یہ حدیث مسند احمد' ج۲' ص ۲۹۲ پر انہی الفاظ میں مروی ہے' لیکن وہاں یہ لفظ "اور اس نے آپ کے لئے جنت واجب کر دی ہے" نہیں ہیں۔

(۷) مستدرك حاکم۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۸) کشف الخفاء للعجلونی' ج۱' ص ۲۳۷

(۹) صحیح مسلم' کتاب الدعوات' باب فضل الدعاء للمسلمین بظهر الغیب

باب ۸ :

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاستیذان' باب لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه۔ وصحیح مسلم' کتاب السلام' باب تحریم اقامة الانسان من موضعه المباح الذی سبق الیه (یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

(۲) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی التحلق۔ وجامع الترمذی' کتاب الاستیذان' باب اجلس حیث انتهی بك المجلس۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

(۳) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی الرجل یجلس بین الرجلین بغیر اذنهما۔ وجامع الترمذی' کتاب الادب' باب کراهیة الجلوس بین الرجلین بغیر اذنهما۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

(۴) صحیح مسلم' کتاب السلام' باب اذا قام من مجلسه ثم عاد فهو احق به۔

(۵) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی الجلوس وسط الحلقة۔ و جامع الترمذی' کتاب الادب' باب کراهیة القعود وسط الحلقة

(۶) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ

(باقی صفحہ ۱۱۱ پر)

رفتار کار

تنظیم اسلامی کا آل پاکستان اجتماع

آنکھوں دیکھا حال

منعقدہ: ۲۳ تا ۲۵ فروری ۲۰۰۳ء

بمقام: فردوسی فارم' دراجکے

از قلم: انوار الحق چوہدری' مبصر ☆

اجتماع گاہ

اجتماع گاہ (فردوسی فارم) لاہور راولپنڈی جی ٹی روڈ پر سادھوکے (لاہور۔ گوجرانوالہ کے درمیان تقریباً وسط میں) سے 4 کلومیٹر کے فاصلے پر بیگ پور کی جانب پکی روڈ پر موضع دراجکے میں واقع ہے۔ اس فارم کا رقبہ سات ایکڑ ہے' یہ فارم محترم اقتدار احمد صاحب (برادر ڈاکٹر اسرار احمد) نے اپنی والدہ کے نام پر قائم کیا تھا۔ اس میں پولٹری فارم اور فش فارم بنایا گیا تھا۔ رہائش کے چند کمرے اور غسل خانے وغیرہ بھی بنائے گئے۔ چھوٹے بچوں کے لئے ایک سوئمنگ پول بھی بنایا گیا۔

بعد میں پولٹری فارم ختم کر دیا گیا' تاہم اس کے شیڈ وغیرہ قائم ہیں جن میں ضروری ترمیم وغیرہ کر کے اور وضو کے لئے جگہ' غسل خانے اور بیت الخلاء تعمیر کر دیئے گئے۔ اب اس فارم کا فرنٹ کا نصف حصہ تنظیم اسلامی کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ پچھلا نصف حصہ فیمیلز کی پک نک کے لئے رکھ لیا گیا ہے۔ یہ محترم اقتدار احمد کی دوراندیشی' ذہانت اور پلاننگ کا ثبوت ہے کہ انہوں نے بہت پہلے بزنس اور فیملی پک نک کے لئے یہ فارم مختص کیا۔ اس سال تنظیم اسلامی کا آل پاکستان اجتماع (۲۳۔۲۵ فروری ۲۰۰۳ء) فردوسی فارم میں منعقد کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

☆ ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز' قرآن اکیڈمی۔ چیف انجینئر (ر) پاکستان ریلوے

۲۳ فروری ۲۰۰۳ء

تنظیم اسلامی کا کل پاکستان اجتماع تین سال کے فصل کے بعد فردوسی فارم میں 23 فروری کو نماز عصر سے شروع ہوا۔ اجتماع میں پاکستان کے طول وعرض سے تنظیم اسلامی کے رفقاء جمع ہوئے۔ چار پانچ رفقاء امریکہ اور کینیڈا سے بھی شامل ہوئے اور فردوسی فارم کے سبزہ زار میں خیمہ زن ہو گئے۔ شامل ہونے والوں کی رجسٹرڈ تعداد 1250 کے لگ بھگ تھی۔ اس کے علاوہ کچھ مبصر حضرات بھی تھے۔

اجتماع کے تین دنوں میں رفقاء نے اپنے رجوع الی القرآن کے سبق کو از سر نو تازہ کیا اور اپنے دینی اور تحریکی فکر کو پختہ کیا۔ شرکاء اجتماع کو دور دراز سے آئے ہوئے اپنے رفقاء سے متعارف ہونے اور ملنے کا موقع بھی ملا۔ نماز عصر سے نماز مغرب تک مرکزی ناظمین کا تعارف کرایا گیا۔ نماز مغرب سے نماز عشاء تک امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کا افتتاحی خطاب ہوا۔

سالانہ اجتماع پر مکتبہ کا سٹال

فردوسی فارم کے سبزہ زار میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا پُرشکوہ سٹال لگا ہوا تھا جس میں کتب' کیسٹ' جریدے اور سی ڈیز رکھی گئی تھیں۔ اجتماع کے دوران سب سے زیادہ رونق اسی سٹال پر رہی۔ ان دنوں مکتبہ نے ۲,۲۵,۰۰۰ روپے کی کتب' کیسٹس اور CDs فروخت کیں۔ مکتبہ سٹال کی کامیابی کا سہرا مدیر مکتبہ نعیم الدین صاحب اور اُن کے سٹاف کے سر رہا۔

اگرچہ اس اجتماع کے دوران بارش ہونے کی وجہ سے شرکاء اجتماع کو کچھ تکالیف اٹھانی پڑیں' لیکن اجتماع کا انتظام مجموعی طور پر بہت اچھا رہا۔

رجسٹریشن

''استقبالیہ'' پر شرکاء اجتماع کی رجسٹریشن کا انتظام تھا' جہاں تمام آنے والے رفقاء واحباب اپنا نام رجسٹر کرا کے بیج حاصل کرتے تھے۔

مطبخ۔طعام

اجتماع کے شرکاء کے لئے طعام کا انتظام بہت اچھا تھا۔ناظم اجتماع ایوب بیگ مرزا اور نائب ناظم حافظ عرفان تھے۔ناظم مطبخ محمد عرفان اور ناظم طعام طیب علی کا کام قابلِ تعریف رہا۔

افتتاحی خطاب امیر تنظیم

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید نے موجودہ حالات اور امت مسلمہ کی کسمپرسی کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ انہوں نے پاکستان کی حالت پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ داخلی طور پر ہمارے ملک میں اسلام کی عملداری ہے نہ اسلامی اقدار کا لحاظ۔اللہ کے دین کے ساتھ بے وفائی اور غداری کی روش نہ صرف جاری ہے بلکہ اس معاملہ میں ہماری بے باکی اور دیدہ دلیری میں خوفناک حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔اس طرزِ عمل کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ ہماری آزادی سلب ہو چکی ہے۔ پاکستان کی سرزمین پر ایف بی آئی کی عملداری ہے اور ہم عملاً امریکہ کے غلام اور محکوم بن چکے ہیں۔

پوری اُمت مسلمہ اور عالمِ اسلام کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔مشرقِ وسطیٰ کا جغرافیہ بدلنے اور گریٹر اسرائیل کے قیام کے لئے یہود و نصاریٰ کی سازش اور منصوبہ بندی تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔امریکہ ہر قیمت پر یہودی ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر عالم عرب کا نام ونشان مٹانے پر تلا بیٹھا ہے' جبکہ مسلمان ممالک خاموشی کی تصویر بنے فرعونِ وقت کے ہاتھوں عراق کی تباہی و بربادی کے منتظر ہیں۔مسلمان اگر مجبور' مظلوم اور مقہور ہیں تو یہ سب ان کا اپنا کیا دھرا ہے۔دین سے بے وفائی' قرآن سے دوری' شہادت علی الناس اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے دینی فرائض سے مسلمانانِ عالم کی بے اعتنائی ہی اس کی وجہ ہے۔بلاشبہ ہمارے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد کے اور کوئی آسرا نہیں اور کوئی پناہ گاہ نہیں۔اللہ کی مدد کے حصول کا یقینی ذریعہ صرف اور صرف ایک ہے اور وہ اللہ کے دین کی نصرت یعنی دین کے غلبہ و

اقامت کی جدوجہد ہے۔اس کے لئے ہمیں اپنی تنظیم سے وابستگی کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے' اپنے آپ کو سمع وطاعت کا خوگر بنانے اور جان و مال کی قربانی دینے کے لئے تیار کرنا ہوگا۔اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دینی فکر کو از سرنو تازہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ایمان و یقین میں پختگی پیدا کرنا ہوگی اور پوری سرگرمی کے ساتھ دعوت و اقامت دین کی جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا۔

ہم نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے وہ دجالی و ابلیسی قوت کو چیلنج کرنے کا ہے۔ابلیس کو اصل خطرہ صرف ان لوگوں سے ہے جو اللہ کے دین کو قائم و غالب کرنا چاہتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے یہ تعین کریں کہ تنظیم کے قیام کا نصب العین کیا ہے۔اگر ہمارے سامنے یہ واضح نہ رہے تو انسان اپنی منزل سے بہت دور ہو جاتا ہے۔بحیثیت انسان ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم جہنم کی آگ سے بچ جائیں اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں۔دنیا کی یہ زندگی ایک وقفۂ امتحان ہے اور اسی زندگی میں کئے جانے والے اعمال کی بنیاد پر آخرت کی حقیقی زندگی میں ہمارے مستقبل کا تعین ہوگا کہ ابدی جہنم ہمارا مقدر ہے یا ابدی جنت کی نعمتیں۔چونکہ آخرت میں انفرادی محاسبہ ہوگا' لہٰذا ہر انسان کا سب سے بڑا مسئلہ آخرت میں نجات ہے۔یعنی فرد کا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ اس دنیا کی زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق گزارے تاکہ آخرت میں خسارے سے بچ جائے۔اس نصب العین تک پہنچنے کا راستہ سورۃ العصر میں بیان ہوا ہے۔ایمان' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر وہ سنگ ہائے میل ہیں جو راہ نجات کا تعین کرتے ہیں۔ان میں تواصی بالحق کی ادائیگی کے لئے جماعت لازمی ہے۔گویا جماعتی زندگی دینی فرائض کی ادائیگی کا ذریعہ ہے تاکہ نصب العین حاصل ہو سکے۔

اپنی افتتاحی تقریر میں امیر تنظیم اسلامی نے اراکین تنظیم کو اپنے ایمان و یقین میں پختگی پیدا کرنے اور پوری سرگرمی کے ساتھ دعوت و اقامت دین کی جدوجہد کو تیز کرنے کی تلقین کی۔

۲۴ فروری ۲۰۰۳ء

آج کے پروگراموں میں اہم ترین بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر ختم نبوت اور تکمیل رسالت کے نتیجے میں وحی اور نبوت کا سلسلہ چونکہ بند ہو گیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس خلا کو تین چیزوں سے پر کیا:

۱) قرآن کے متن کی حفاظت۔

۲) تجدید دین کی خاطر ہر صدی میں مجددین کی آمد۔

۳) اس امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔

مجددینِ امت کا سلسلہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے شروع ہوا اور ایک ہزار برس تک عالم عرب میں جاری رہا۔ دوسرے ہزار سال کے آغاز پر یہ سلسلہ برعظیم پاک و ہند میں منتقل ہو گیا۔ چنانچہ گیارھویں صدی کے مجدد شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی ہوئے جنہوں نے تصوف کے راستے در آنے والے غلط نظریات کی اصلاح کی۔ بارھویں صدی کے مجدد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تھے جنہوں نے علمی میدان میں تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا اور برعظیم میں دعوت رجوع الی القرآن کا آغاز کیا۔ تیرھویں صدی کے مجدد سید احمد بریلوی شہیدؒ نے تصورِ دین کی اصلاح کی' بیعت جہاد لی اور سکھوں کے خلاف جنگ کی۔ میرے نزدیک چودھویں صدی کے مجدد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تھے جنہوں نے انگریزی استعمار کے خلاف جہاد حریت کا علم بلند کیا۔ آپ کے تین نامور شاگردوں مولانا عبیداللہ سندھیؒ 'مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے تین مختلف میدانوں میں تجدیدی کام کیا۔ علامہ اقبال کی حیثیت میرے نزدیک فکر اسلامی کے مجدد کی ہے جنہوں نے اسلام کو بطورِ دین پیش کیا جو اپنا غلبہ چاہتا ہے' جبکہ اس سے قبل اس کی حیثیت صرف مذہب کی رہ گئی تھی۔ اسلام کے اس جامع تصور کو مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے آگے بڑھایا۔ اب اسی کام کو لے کر ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ اقامت دین کی جدوجہد فرض عین ہے اور یہ کام جماعت کے بغیر نہیں ہو سکتا اور جماعت کے قیام کے لئے

منصوص، مسنون اور ماثور بنیاد ''بیعت'' ہے۔

اب مجدد کامل حضرت مہدی کی آمد قریب ہے جن کا ظہور عرب میں ہونے والا ہے۔ ہم ان کے لئے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ قیامت سے پہلے تمام دنیا میں دین اسلام کا بول بالا ہو کر رہے گا۔

دیگر خطابات

ڈاکٹر حافظ مقصود احمد	:	ایمان حقیقی اور اس کے ثمرات
جناب مختار حسین فاروقی	:	ایمان حقیقی اور جہاد کا باہمی تعلق
ڈاکٹر طاہر خاکوانی	:	اجتماعیت کی ضرورت و اہمیت
چوہدری رحمت اللہ بٹر	:	انقلابی کارکنوں کے اوصاف
مولانا غلام اللہ حقانی	:	انقلاب نبویؐ کا اساسی نظریہ

۲۵ فروری ۲۰۰۳ء

۱) ''انقلابی تربیت کا ہدف اور ذرائع'': شاہد اسلم صاحب نے اس موضوع پر جامع بیان کیا۔

۲) ''صبر محض کی ضرورت و اہمیت'': خالد محمود عباسی صاحب نے ''صبر محض'' کی تعریف کی اور قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں صبر محض کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی۔

۳) ''مسلح تصادم اور تمدنی ارتقاء'': کراچی سے انجینئر نوید احمد نے مسلح تصادم اور تمدنی ارتقاء پر مدلل روشنی ڈالی۔ تمام مقررین میں سے صرف انجینئر نوید احمد صاحب نے ''مسلح تصادم اور تمدنی ارتقاء'' پر کتابچہ پیش کیا اور حاضرین میں تقسیم کیا، جس کو بہت سراہا گیا۔

۴) ''احیائی عمل میں تدریج اور اس کے تقاضے'': بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے آخر میں ''احیائی عمل میں تدریج اور اس کے تقاضے'' کے موضوع پر مدلل خطاب کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں تین جگہ آنحضور ﷺ کا مشن

بیان کیا گیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبۃ:۳۳، الفتح:۲۸، الصف:۹)

آپؐ کی بعثت تمام دنیا کے لئے ہے اور آپؐ تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ (سبا:۲۸)

آپؐ کی بعثت کا مقصد اُس وقت پورا ہوگا جب تمام دنیا میں اسلام کا نفاذ ہو جائے گا۔ پہلا مرحلہ اللہ کا دین آنحضور ﷺ کے ہاتھوں عرب میں غالب ہو گیا۔ خلافت راشدہ میں عرب ہے یا پھر عراق، شام، ایران، مصر اور افریقہ میں اسلام کا نفاذ ہو گیا۔

چودھویں صدی کے مجدد دین کا کام جزوی رہا، علمی کام ہوتا رہا، مجدد کامل پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے کہ خلافت راشدہ کے بعد اسلام سیاسی سطح پر جس زوال و انحطاط کا شکار ہوا وہ چودھویں صدی میں اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

پندرھویں صدی تجدید کامل کی صدی ہے۔ صحیح احادیث کے مطابق اس میں مجدد کامل عرب میں پیدا ہوگا اور تجدید کامل کرے گا۔ تجدید کامل کی تمہید علمی اور نظریاتی سطح پر ہو چکی۔ اب تجدید کا عملی مرحلہ درپیش ہے۔ ہر صاحب ایمان پر اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے کوشش کرنا فرض عین ہے۔

اسلام کے احیائی عمل میں صوفیاء، علماء اور احیائی تحریکوں سمیت سب کا ایک کردار ہے۔ اسلام کی تجدید کے اس عمل کو اقبال نے مبرہن کیا کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے اور دین غلبہ چاہتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے جماعت قائم کی جسے جماعت اسلامی کی صورت میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے آگے بڑھایا۔ اس کام کے اس تمہیدی عمل کو فکری طور پر تنظیم اسلامی نے کامل کیا۔ ہماری اس فکر کے نمایاں پہلو یہ ہیں:

۱) تمام اہل ایمان پر اقامت دین کی جدوجہد فرض عین ہے۔

۲) اس کام کے لئے منظم جماعت لازم ہے۔

۳) جماعت کی بنیاد بیعت کی اساس پر ہوگی۔
۴) اس کام کے لئے جدوجہد حضور اکرم ﷺ کی سیرت سے مستنبط طریقے پر ہوگی۔

تاہم اب یہ کام ایک لائف سپین میں نہیں ہوسکتا بلکہ ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ کے مصداق درجہ بدرجہ ہوگا۔ اس کی خبر ہمیں حضور اکرم ﷺ نے دی ہے کہ قیامت سے پہلے کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہوگا۔ ہم آج اس دور میں ہیں کہ دنیا میں کہیں بھی اسلامی نظام قائم نہیں ہے۔ مجدد دین کی چودہ سو برس کی محنت سے یہ کام تکمیل کی طرف بڑھا ہے۔ اور یہ کام جس آخری مجدد کے ہاتھوں مکمل ہوگا وہ مجدد کامل ہوگا۔ لہٰذا غلبہ دین کی جدوجہد میں ذریعہ بننے والی تحریکوں کو مایوس نہ ہونا چاہئے بلکہ اللہ نے اس کام کو آگے بڑھانے کی جو توفیق دی اس پر شکر ادا کیا جائے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم تادم آخر اس کام میں لگے رہیں۔

امیر تنظیم کا اختتامی خطاب

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے اجتماع کے اختتام پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اجتماع مکمل ہوا۔ منتظمین اور حاضرین کا بھی شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے اجتماع کا اصل مقصد یہ بیان کیا کہ ہم سب دینی کام کے لئے جمع ہوئے حتی الامکان اس میں کوشش کریں گے۔ دعوت رجوع الی القرآن کے سبق کا اعادہ ہوگا۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنا فکری ونظری قبلہ درست کریں۔ اخلاص نیت سے اقرار کریں کہ دین کا علاوہ کچھ اور مقصود نہ ہو۔ استغفار کریں۔ شیطان سے پناہ مانگیں۔ آخری سانس تک (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ سورۃ الفاتحہ) صراطِ مستقیم کی دعا مانگیں۔ اور شعوری کوشش کریں۔

تنظیم اسلامی نے قرآن وسنت سے جو تین فرائض دینی معین کئے ان کا بجالانا آخرت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔ یعنی:

۱) خود اللہ کا بندہ بننا۔
۲) دوسروں کو اللہ کا بندہ بننے کی دعوت دینا۔

۳) اقامت دین یعنی اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا۔

اقامت دین کے لئے ہم نے طریق کار سیرت نبویؐ سے مستعار لیا ہے' لہٰذا امید ہے کہ جو اس راستے پر گامزن رہا اسے دُنیوی کامیابی ملے نہ ملے آخرت میں کامیابی ضرور ملے گی۔ لیکن دنیا میں بھی اگر کوئی مؤثر اور دیرپا کامیابی ملے گی یعنی دین قائم ہوگا تو اسی نبویؐ طریقے سے ہوگا۔ ہم فی الوقت انقلاب کے ابتدائی مراحل یعنی دعوت' تنظیم' تربیت اور صبر محض کے دور سے گزر رہے ہیں۔ لہٰذا ہمارا کرنے کا کام یہ ہے:

۱) ہم اپنے اندر اخلاصِ نیت پیدا کریں۔

۲) شعوری ایمان اور اس میں گہرائی کے لئے قرآن سے وابستگی کو مضبوط بنائیں۔

۳) عمل صالح اختیار کریں یعنی ہر اس کام کو ترک کر دیں جو اللہ کو پسند نہیں اور فرائض کی ادائیگی' صدق و امانت' دیانت' ایفائے عہد کو اپنا شعار بنائیں۔

۴) ہر شخص اپنی ذات میں داعی بنے کیونکہ تواصی بالحق سورۃ العصر کی بیان کردہ راہ نجات کا ایک اہم سنگ میل ہے۔

اس ضمن میں فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی' سمع و طاعت کا خوگر بننے اور جماعتی ڈسپلن کی پوری پابندی کی کوشش کی جائے۔

۵) باطل کے خلاف میدان میں ڈٹے رہنا اور اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹنا تواصی بالصبر ہے' جسے اختیار کئے بغیر کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔

ہم یہ کام کریں گے تو یہ قافلہ آگے بڑھے گا ورنہ یہیں کھڑا رہ جائے گا۔ اس کے ساتھ ہمیں بار بار اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ کہیں ہم صراط مستقیم سے ہٹ تو نہیں گئے۔

اگر ہم اس جدوجہد میں مقدور بھر اپنی توانائیاں' جان' مال کھپاتے رہے تو دنیا میں کامیابی ملے یا نہ ملے آخرت میں ضرور سرخرو ہوں گے اور ان شاء اللہ ہماری زبانوں پر یہ ترانہ ہوگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ

اجتماعی بیعت

اجتماع کے اختتام پر امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر حاضرین میں سے سینکڑوں اصحاب نے بیعت کی۔ ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے بیعت فارم تو پر کئے تھے لیکن ہاتھ پر بیعت اب تک نہیں کر سکے تھے۔ کچھ نئے صاحبان بھی تھے۔

اس کے بعد اجتماع کا اختتام دعا پر ہوا۔

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے تحریک تنظیم اسلامی کو جامع طور پر بیان کیا تا کہ ایمان تازہ ہو جائے اور کام کرنے کے لئے کمر ہمت کس کر باندھ لی جائے۔ امیر تنظیم اسلامی کی زیر قیادت تحریک تنظیم ان شاء اللہ بہت ترقی کرے گی۔ حافظ صاحب بہت کام کر رہے ہیں۔ امیر تنظیم' ایڈمنسٹریٹر قرآن کالج' ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی' ندائے خلافت' حکمت قرآن' میثاق جریدہ جات کی ادارت۔ چند ایک کام مثال کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہو!

بقیہ: حواشی ''مسلمان کا طرزِ حیات''

وَيَدِهٖ"

(۷) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان

(۸) صحیح البخاری' کتاب المظالم' باب افنیة الدور والجلوس فیها والجلوس علی الصعدات۔ وصحیح مسلم' کتاب اللباس' باب النهی عن الجلوس فی الطرقات واعطاء الطریق حقه۔

(۹) جامع الترمذی' کتاب الدعوات' باب ما یقول اذا قام من مجلسه۔ اسے امام ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی کفارة المجلس۔